قوسِ قزح

خواجہ شمس الدین عظیمیؔ

مکتبہ عظیمیہ أردو بازار لاہور
فون 7243541

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب.......................... قوس قزح

ناشر.......................... مکتبہ عظیمیہ اُردو بازار لاہور

کمپوزنگ.......................... عدیل مسعود عظیمی

طبع.......................... خادم پریس لاہور

قیمت.......................... ۶۰ رُوپے

تاریخ اشاعت.......................... 27-01-2002

برائے رابطہ:

۱۵۸۔ مین بازار مزنگ لاہور

فون: 7243541

انتساب:

روحانی طالب علموں کے نام

نمبر شمار	فہرست	صفحہ نمبر
1	انسانی مشین	9
2	ہمارا دل	22
3	سونا بنانے کا گر	34
4	بارش	45
5	کائناتی سسٹم	58
6	کہکشاں	71
7	قوس قزح	83
8	دلہن	95
9	جہنم	104
10	گھر گھر دستک	117
11	اے واعظو اے منبر نشینو	129
12	الصلوۃ معراج المومنین	142
13	حضرت مریمؑ	171
14	انبیاء کی مائیں	182

ترتیب و پیشکش

مرشدِ کریم کے کتابچوں پر مبنی کتاب ''اسمِ اعظم'' کے نام سے آپ نے پڑھی۔ مجھے امید ہے کہ اُس کتاب کو آپ نے اپنے استاد کی نگرانی میں پڑھتے وقت تھیوری کے ساتھ پریکٹیکل یعنی مراقبہ پر بھی توجہ دی ہوگی۔

اِس کتاب میں مرشدِ کریم کے مزید ۱۴ عدد کتابچوں کو کتابی شکل دے کر'' قوس قزح'' کے نام سے پیش کیا جا رہا ہے۔ باقی کتابچوں کو مزید دو عدد جلدوں میں تیار کرلیا ہے۔ انشا اللہ وہ بھی جلد پیشِ خدمت ہوں گی۔

وہ طالب علم اورسلسلہ کے معزز خواتین و حضرات جن کے پاس مرشدِ کریم کے کتابچے نہیں ہیں ان کو کتابی شکل میں پا کر ضرور خوش ہوں گے۔

اللہ تعالیٰ قرآنِ پاک میں فرماتے ہیں کہ انسان کو علم سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا۔ یعنی اللہ نے انسان کے لاشعور میں علم ذخیرہ کر دیا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان کو وہ علم سکھا دیا ہے جس علم سے انسان کے علاوہ کائنات میں کوئی

دوسری نوع واقف نہیں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

''میں نے آدم کو اپنے اسماء (صفات) کا (براہِ راست طرزِ فکر یعنی کائناتی شعور) کا علم سکھا دیا۔''

فرمانِ باری تعالیٰ راہنمائی کرتا ہے کہ کائنات میں انسان وہ ہستی ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے براہِ راست طرزِ نگاہ کا علم دیا ہے۔

علم کی دو قسمیں ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جو رسولوں کو عطا کی گئی اور دوسری قسم وہ ہے جو انبیاء کرام کو عطا کیا جاتا ہے۔ ایک بندہ وہ ہے جو اللہ کے قانون کے مطابق نوع انسانی کو راہِ راست پر لانے کی نہ صرف جدوجہد کرتا ہے، بلکہ اپنی زندگی بھی ایثار کرتا ہے۔ بڑی بڑی تکالیف برداشت کرتا ہے۔ اِس کی زندگی کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ وہ نوعِ انسانی میں اچھائی برائی کے تصور کو عام کر دے اور ان راستوں سے دور لے جائے جو راستے بندے اور اللہ کے درمیان پردہ بنتے ہیں۔ دوسرے بندے کی شان ہے کہ وہ جو کچھ کرتا ہے اس میں پہلے اللہ کی مشیّت دیکھتا ہے اور مشیّت میں جو کچھ ہوتا ہے اِس پر بلا چوں و چرا عمل کرتا ہے۔ اِس کے سامنے نہ اچھا ہوتا ہے اور نہ بُرا وہ صرف اور صرف یہ دیکھتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کیا چاہتے ہیں اور اِس میں اِس کی اپنی مرضی شامل نہیں ہوتی وہ ہر حال میں راضی رہتا ہے۔ اِس کی سوچ کبھی اِس طرف نہیں جاتی کہ اللہ تعالیٰ اِس طرح کیوں چاہتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ چاہتا ہے اور بندہ اس پر عمل درآمد کرتا ہے۔

میرے مرشدِ کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی صاحب فرماتے ہیں کہ جب ہم علم کی ہیئت، اصلیت اور حقیقت پر غور کرتے ہیں تو ہمارے پاس یہ کہے بغیر کوئی چارہ نہیں کہ علم کی بنیاد دراصل کسی چیز کی خبر یا کسی چیز کی شکل وصورت کو یا کسی چیز کے وصف کو جاننا ہے۔ علم کے معنی بھی یہی ہیں کہ آدمی کے اندر جاننے اور کسی چیز سے واقف ہو جانے کا عمل پیدا ہو جائے۔ جب تک ہمیں کسی چیز کے بارے میں علم حاصل نہیں ہوتا اِس وقت تک وہ چیز ہمارے لئے معدوم کی حیثیت رکھتی ہے۔

میرے مرشدِ کریم مزید فرماتے ہیں کہ علم حاصل کرنے کے لئے بندے کے اندر یقین مستحکم ہونا چاہئے اور اُس کے روحانی استاد میں نہ صرف یہ صلاحیتیں ہونی چاہئیں بلکہ وہ روحانی استاد اِن صلاحیتوں کا استعمال بھی جانتا ہو۔۔۔۔اِس لئے کہ روحانی علم کا حصول اور غیب بینی کی صلاحیت کا بیدار ہونا یقین پر منحصر ہے۔ بے یقین آدمی روحانی راستہ میں سفر نہیں کر سکتا۔

یہاں یہ بات جاننا ضروری ہے کہ کسی بھی بات کا یقین (حق الیقین) اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک وہ مشاہدے سے گزر کر محسوسات میں داخل نہ ہو جائے اور محسوسات سے ہوتی ہوئی اپنا باطن ظاہر نہ کر دے۔ یعنی قانون یہ بنا کہ کسی بھی معاملے میں حق الیقین تک پہنچنے کے لئے مشاہدہ بغیر پریکٹیکل یعنی مراقبہ کے پایہ تکمیل تک نہیں پہنچ سکتا۔

یہ ساری بات بتانے کا منشاء یہ ہے کہ آپ علم حاصل کرنے کے ساتھ ساتھ پریکٹیکل ضرور کریں تا کہ آپ کے مشاہدے میں ساری بات آ

جائے۔

اللہ تعالیٰ سے یہ دعا ہے کہ مجھ سلسلہ عالیہ عظیمیہ کے ایک ادنیٰ سے کارکن کی حیثیت سے میری یہ کاوش مرشد کریم حضرت خواجہ شمس الدین عظیمی کی نظر میں قبول ہو اور ان کا روحانی فیض میرے اوپر محیط ہو۔

آخر میں میاں محمد بخش صاحب کھڑی شریفؒ کے اس شعر پر قلم روکتا ہوں ۔

پڑھنے دا نہ مان کریں تو، نہ آکھیں میں پڑھیا
او جبار ستار کہاوے متاں روڑھ سٹے دودھ کڑھیا

میاں مشتاق احمد عظیمی

روحانی فرزند

الشیخ خواجہ شمس الدین عظیمی

مراقبہ ہال ۔ ۱۵۸ مین بازار مزنگ لاہور

فون: 7243541

تاریخ اشاعت:

۲۷ جنوری ۲۰۰۲ء

انسانی مشین...... کئی کھرب کل پرزے

مختصر طور پر زندگی کا تذکرہ کیا جائے تو یہ کہنا مناسب ہے کہ زندگی جذبات سے تعبیر ہے یعنی زندگی بے شمار جذبات پر رواں دواں ہے اور حواس کے دوش پر سفر کر رہی ہے۔ ان جذبات کو کنٹرول کرنا بھی حواس کے ذریعہ ہی ممکن ہے۔

مثال......ایک آدمی کو پیاس لگی۔ پیاس ایک تقاضہ ہے۔ پیاس کے تقاضے کو پورا کرنے کے لئے حواس ہماری رہنمائی کرتے ہیں۔ حواس ہمیں بتاتے ہیں کہ یہ پانی گرم ہے یہ پانی سرد ہے یہ پانی کڑوا ہے یا یہ پانی شیریں ہے۔ پیاس کا عمل یا پیاس کا تقاضا پانی پینے سے پورا ہوتا ہے۔ پانی کی پہچان بھی حواس کے ذریعے ممکن ہے۔ ایک تقاضا پیاس ہے ایک تقاضا بھوک ہے۔

کسی کو چاہنا ایک الگ تقاضا ہے۔ آدمی کے اندر یہ تقاضا پیدا ہونا کہ کوئی مجھے بھی چاہے الگ تقاضا ہے۔ ان تقاضوں کو ایک جگہ جمع کر لیا جائے تو اس کا نام زندگی ہے اور جب ان تقاضوں کو الگ الگ کر کے دیکھا اور سمجھا جائے تو یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ ہر تقاضا اس لئے الگ الگ ہے کہ تقاضوں کے اندر مقداریں الگ الگ کام کرتی ہیں۔

پیاس کے تقاضے میں جو مقداریں کام کر رہی ہیں وہ بھوک کے تقاضے میں موجود نہیں ہیں اس لئے صرف پانی پی کر ہی بھوک کا تقاضا رفع نہیں ہوتا۔ بھوک کے اندر جو معین مقداریں کام کر رہی ہیں اس کی اپنی الگ ایک حیثیت ہے اس لئے کہ صرف کچھ کھا کر پیاس کا تقاضا پورا نہیں ہوتا۔ حواس الگ الگ تقاضوں کو جانتے ہیں' سمجھتے ہیں۔

انسانی زندگی میں ایک تقاضا محبت ہے۔ محبت ایک ایسا مجموعی تقاضا ہے جس کے بغیر زندگی ادھوری اور نامکمل رہتی ہے۔ حواس محبت کے اس تقاضہ کو الگ الگ حیثیت دیتے ہیں۔ مثلاً حواس ہمیں بتاتے ہیں کہ یہ خاتون ہماری بیوی ہے اور یہ لڑکی بیٹی ہے اور یہ خاتون ہماری ماں ہے۔ جب ہم محبت کا نام لیتے ہیں تو محبت کا مجموعی مفہوم ہمارے ذہن میں ہماری بیٹی آتی ہے لیکن جب ہم حواس کے ذریعے محبت کو سمجھتے ہیں تو محبت کا مفہوم ایک رہتا ہے لیکن محبت کا طرزِ عمل بدل جاتا ہے۔ ایک عورت ہر حال میں عورت ہے لیکن حواس اس عورت کو الگ الگ تقسیم کرتے ہیں۔ حواس ہمیں بتاتے ہیں کہ یہ عورت بہن ہے یہ عورت بیٹی ہے اور یہ عورت ماں ہے اور یہ عورت

بیوی ہے۔ بحیثیت عورت اور مرد سب قدریں مشترک ہیں لیکن حواس ہمیں بتاتے ہیں کہ مشترک قدروں میں بھی ایک ضابطہ اور قانون موجود ہے۔

بتانا یہ مقصود ہے کہ انسانی زندگی جس بنیاد پر قائم ہے اس کے دو پیر یا دو ستون ہیں۔ ایک پیر یا ستون جذبہ ہے اور ایک پیر یا ستون حواس ہیں۔ جب تک آدمی جذبات کے دائرہ کار میں رہتا ہے اس وقت تک اس کی حیثیت دوسرے حیوانات سے الگ نہیں ہے اور جب ان جذبات کو وہ انسانی حواس کے ذریعہ سمجھتا ہے اور جذبات کی تکمیل میں حواس کا سہارہ لیتا ہے تو وہ حیوانات سے الگ ہوتا ہے۔ جذبات اور حواس کا اشتراک انسانوں کی طرح حیوانوں میں بھی موجود ہے لیکن فرق یہ ہے کہ ایک بکری یا ایک گائے حواس میں معنی نہیں پہنا سکتی۔ اس کا علم زندگی کو قائم رکھنے کی ضروریات پوری کرنے تک محدود ہے۔ وہ صرف اتنا جانتی ہے کہ پانی پینے سے پیاس بجھتی ہے پتے کھانے سے بھوک رفع ہوتی ہے۔ اس بات سے اسے کوئی غرض نہیں کہ پانی کس کا ہے۔ اس کے اندر قائم رہنے کے لئے ایک تقاضا ابھرتا ہے اور وہ تقاضا پورا کر لیتی ہے اس کے برعکس انسان کے اندر زندگی کو قائم رکھنے کے لئے جب تقاضا ابھرتا ہے تو وہ حواس کے ذریعہ یہ بات سمجھتا ہے کہ یہ تقاضا کس طرح پورا کیا جاتا ہے۔

چونکہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے حواس کے ذریعے علم عطا کر دیا ہے اس لئے انسان دوسری مخلوق کے مقابلے میں ممتاز ہو گیا ہے اور یہ ممتاز ہونا ہی مکلف ہونا ہے۔ یہ بات واضح طور پر سامنے آگئی ہے کہ زندگی قائم رکھنے کے

لئے اللہ تعالیٰ کی تمام مخلوق میں تقاضے یکساں ہیں۔ آدمی کو بھوک لگتی ہے اور بکری اور بیل کو بھی بھوک لگتی ہے۔ پیاس آدمی کو بھی لگتی ہے اور پیاس دوسرے حیوانات کو بھی لگتی ہے دونوں بھوک اور پیاس کے تقاضہ کو پورا کرتے ہیں لیکن انسان تقاضوں اور حواس کی الگ الگ حیثیت سے واقف ہے۔ یہ وقوف ہی انسان کو شرف کے درجہ پر فائز کرتا ہے۔ حواس کے قانون سے واقف ہونا روحانیت میں داخل ہو جانا ہے۔ روحانی علوم میں یہ بات پڑھائی جاتی ہے اور دکھا دی جاتی ہے کہ حواس اور جذبات کس طرح تخلیق ہوتے ہیں۔

انسان کے اندر کئی کھرب کل پرزوں سے مشین کام کر رہی ہے۔ کچھ کل پرزے ایسے ہیں جو حواس بناتے ہیں۔ کچھ کل پرزے ایسے ہیں جو جذبات کی تخلیق کرتے ہیں۔ انسان کو اللہ تعالیٰ نے یہ علم عطا کیا ہے کہ اگر وہ چاہے تو یہ جان لیتا ہے کہ اس کے اندر نصب شدہ مشین میں یہ کل پرزے کس طرح فٹ ہیں اور ان کے ذریعہ جذبات اور حواس کس طرح بنتے ہیں۔

جذبات اور حواس کے اعتبار سے انسان اور تمام حیوانات ایک دائرے میں کھڑے ہیں لیکن بکری کے اندر یہ صلاحیت نہیں ہے کہ وہ حواس بنانے کی مشین یا حواس بنانے کے کل پرزوں کو سمجھ سکے۔ اگر کوئی انسان بکری کی طرح اپنے اندر نصب شدہ اس کائناتی نظام کو نہیں سمجھتا تو اس کی حیثیت بلی اور کتے سے زیادہ نہیں ہے۔ اس لئے کہ بھوک کتے کو بھی لگتی ہے پیٹ آدمی بھی بھرتا ہے۔ پیاس چوہے کو بھی لگتی ہے پانی چوہا بھی پیتا ہے۔ پیاس

آدمی کو بھی لگتی ہے پانی آدمی بھی پیتا ہے۔ جبلی طور پر ایک آدمی بھی اپنی اولاد کی پرورش کرتا ہے اپنی اولاد سے محبت کرتا ہے اپنی اولاد کی تربیت کرتا ہے۔ بالکل اسی طرح ایک بلی بھی اپنی اولاد سے محبت کرتی ہے اولاد کی پرورش کرتی ہے۔ اپنی اولاد کو دودھ پلاتی ہے اور زندگی گزارنے کے لئے تمام ضروری باتوں سے آگاہ کر کے اپنے بچوں کی تربیت کرتی ہے۔ روحانی نقطہ نظر سے اگر کوئی آدمی سب کچھ وہی کام کرتا ہے جو ایک بلی کرتی ہے تو اس کی حیثیت بلی کے برابر ہے۔ اسے بلی سے افضل قرار نہیں دیا جا سکتا۔ کوئی انسان بلی کتے چوہے سے اس لئے افضل ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے نصب شدہ مشین یا کمپیوٹر کا علم عطا کر دیا ہے۔

روحانی استاد

اگر آدمی کوئی علم نہیں جانتا تو اس علم کو سیکھنے کے لئے ان تمام علوم سے جو وہ سیکھ چکا ہے صرف نظر کر کے اسے نرسری کا بچہ بننا پڑے گا۔

استاد جب کہتا ہے پڑھو الف۔ بچہ یہ نہیں کہتا کہ الف کیا ہے۔ استاد کی تقلید میں بچہ کہہ دیتا ہے ''الف''......

عقل وشعور استعمال کر کے کوئی اعتراض نہیں کرتا۔ یہ وصف بچے کو قدم قدم آگے بڑھاتا ہے اور بچہ پڑھ لکھ کر Ph.D کر لیتا ہے۔

دنیاوی علوم کی تکمیل اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک عقل وشعور کی نفی کر کے طالب علم سکھائے جانے والے علم کو قبول نہ کرے۔ معاشرتی طرزیں بچے میں ماحول اور ماحول میں رہنے والے افراد سے منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ ماں آسمان کی طرف انگلی اٹھا کر کہتی ہے وہ چاند ہے۔ بچہ چاند کو اسی

طرح چاند سمجھتا ہے جس طرح ماں کے شعور میں چاند ہے۔ باپ کہتا ہے یہ درخت ہے بچے کے اندر درخت سے متعلق باپ کا علم منتقل ہو جاتا ہے۔ بہن بھائی دادی نانی بچے کو پانی پلاتے ہیں۔ بچے کی آنتیں پانی سے اسی طرح سیراب ہوتی ہیں جس طرح گھر کے دوسرے افراد پانی پی کر سیراب ہوتے ہیں۔ بچہ اگر چاند کو چاند تسلیم کرنے سے انکار کر دے درخت کو درخت نہ مانے پانی سے پیاس بجھنے پر اعتراض کرے ماں کو ماں نہ کہے باپ کو باپ تسلیم نہ کرے تو معاشرے کی اقدار بچے میں منتقل نہیں ہوں گی۔

بچہ جب تک بے شعوری کو Accept نہیں کرتا اس کے اندر شعور پیدا نہیں ہوتا۔

روحانی استاد کہتا ہے......اندھیرا روشنی ہے۔

چھ ارب لوگ کہتے ہیں اندھیرا اندھیرا ہے تاریکی ہے۔ اگر شاگرد عالم معمول کے طریقہ پر حاصل ہونے والے شعور سے اعتراض کر دے کہ اندھیرا روشنی کیسے ہو سکتا ہے؟ اندھیرا تو اندھیرا ہے.... تو روحانی علم نہیں سیکھ سکتا۔

جس طرح بچے نے اے بی سی ڈی پڑھنے میں اپنی عقل استعمال نہیں کی اسی طرح جب تک روحانی شاگرد اندھیرے کو روشنی تسلیم نہیں کرے گا اگلی کلاس میں داخل نہیں ہو سکتا۔

روحانی استاد کہتا ہے......مادی جسم فکشن ہے۔ اس کی اپنی ذاتی کوئی حیثیت نہیں ہے۔ فرد حجت پیش کرتا ہے اگر جسمانی نظام فکشن ہے تو

روٹی نہ کھانے سے ہم کمزور کیوں ہوجاتے ہیں؟....اگر روٹی کھانا فکشن ہے تو ہمارے اندر کھانا کھانے سے طاقت کیوں آجاتی ہے؟

روحانی استاد بتاتا ہے کہ.....ہمارا مادی جسم اس لئے فکشن ہے کہ ہم روٹی بھی کھا رہے ہیں پانی بھی پی رہے ہیں فضا سے آکسیجن بھی ہمیں مل رہی ہے لیکن جسم انحطاط پذیر ہے آدمی بوڑھا ہوجاتا ہے۔

ایسا کیوں ہوتا ہے؟

روٹی کھا کر آدمی بوڑھا کیوں ہورہا ہے؟

جوان آدمی سوکھی روٹی کھا کر بھی صحت مند ہے۔ بوڑھا آدمی طاقتور غذائیں کھا کر روز بروز کمزور ہوتا رہتا ہے۔ رگ پٹھوں سے مرکب جسم کے خوبصورت خدوخال سکڑ جاتے ہیں اعصاب ڈھیلے ہوجاتے ہیں چہرہ پر جھریاں پڑجاتی ہیں۔

دنیاوی علوم کا استاد ہو یا روحانی استاد ہو، دونوں کا ادب و احترام ضروری ہے۔ روحانی استاد اور علم حصولی کے استاد میں فرق یہ ہے کہ روحانی استاد کے پیش نظر صرف اللہ ہوتا ہے۔ دنیاوی غرض لالچ طمع کچھ نہیں ہوتا۔ روحانی استاد کے ذہن میں شاگرد کی اصلاح و تربیت کا ایک مکمل پروگرام ہوتا ہے کہ شاگرد غیب کی دنیا سے واقف ہوجائے اسے عرفان ذات حاصل ہوجائے۔

روحانی استاد تعلیم دیتا ہے کہ اللہ سے دوستی کی شرط یہ ہے کہ بندہ وہ کام کرے جو اللہ کے لئے پسندیدہ ہے۔

روحانی استاد بتاتا ہے کہ روحانی انسان کا تعلق اللہ کے ساتھ قائم ہے۔ روحانی انسان وہی کام کرکے خوش ہوتا ہے جو اللہ کی صفت ہے۔

جواری کی دوستی کا تقاضہ ہے کہ دوست کے ساتھ کلب میں جاکر جوا کھیلے۔ شطرنج کے کھلاڑی سے دوستی شطرنج میں مہارت حاصل کرنے کی متقاضی ہے۔ مصور کی دوستی آدمی کو ماہر مصور نہ بھی بنائے اسے اس قابل ضرور بنا دیتی ہے کہ وہ کینوس پر آڑھی ترچھی لکیریں کھینچ کر خدوخال اور نقش و نگار واضح کردے۔ سینما دیکھنے کا شوقین پیسے خرچ کرکے دوست کو فلم دکھانے لے جاتا ہے۔

دنیاداری میں بھی دوستی اس وقت تک بااعتبار نہیں ہے جب تک دوست وہی اوصاف اختیار نہ کرے جو اس کے دوست کے ہیں۔

بچے کا نو ماہ تک ماں کے پیٹ میں بظاہر حیاتیاتی ضابطوں کے خلاف پرورش پانا پیدا ہوکر دنیا میں آنا غذائی ضروریات پوری کرنے کے لئے ماں کے سینے سے دودھ کا چشمہ ابل پڑنا پیدائش سے موت تک حفاظت وسائل کا مہیا ہونا یہ سب بندوں کی خدمت ہے جو اللہ کے قائم کردہ نظام کے تحت جاری وساری ہے۔

اللہ کے نظام میں ہر آدمی کے ساتھ بیس ہزار فرشتے ہمہ وقت کام کرتے ہیں یعنی ہر آدمی اللہ میاں کا کمپیوٹر ہے جس میں بیس ہزار چپس (chips) ہیں۔ ایک چپ (chip) یا ایک کنکشن بھی کام نہ کرے تو پورے نظام میں خلل واقع ہوجاتا ہے۔

انسان کے اندر جو مشینری فٹ ہے بیس ہزار فرشتے اس کے ایسے کنکشن ہیں جن سے انسانی مشین کے اندر بجلی دوڑتی ہے اور اس بجلی سے انسان کے اندر بارہ کھرب سیلز Cells چارج ہوتے ہیں۔

دماغ میں دو کھرب سیلز ہیں اور ہر ایک سیل کسی نہ کسی حس (Sense) کسی نہ کسی عضو کسی نہ کسی Tissue کسی نہ کسی شریان اور رگ پٹھوں سے متعلق ہے۔ دو کھرب میں سے ایک سیل بھی متاثر ہوجاتا ہے تو انسانی جسم پر اس کے منفی اثرات مرتب ہوجاتے ہیں۔ ایسے مربوط نظام کو اللہ کی جانب سے مخلوق کی خدمت کے علاوہ اور کوئی نام نہیں دیا جاسکتا۔

زمین سورج چاند تارے ہوا کی پرواز بارشوں کا انتظام جمادات نباتات معدنیات سمندروں میں آباد دنیائیں کس چیز کی نشاندہی کرتی ہیں۔

****

ہوا ناک یا منہ کے ذریعے جسم میں جاتی ہے اور مختلف نالیوں سے گزرتی ہوئی پورے جسم میں داخل ہوتی ہے۔ جیسے جیسے ہوا آگے بڑھتی ہے ہوا کا دباؤ زیادہ ہوتا رہتا ہے۔ ان نالیوں کا قطر بتدریج چھوٹا ہوتا جاتا ہے اور پھیپھڑوں میں موجود تین ملین تھیلیوں میں ہوا پہنچ جاتی ہے۔

کانوں سے ہم سنتے ہیں۔ آواز کی لہریں کان میں داخل ہوتی ہیں۔ کان کے پردے پر بالوں کی ضرب سے پیدا ہونے والی گونج میں ہم معانی

پہناتے ہیں

کیا یہ سب مخلوق کی خدمت نہیں ہے......؟

آدمی کے اندر خون کا حیرت انگیز نظام کام کررہا ہے۔ جسم کے اندر وریدوں اور شریانوں میں دوڑنے والا خون چوبیس گھنٹے میں ۷۵ ہزار میل سفر کرتا ہے۔ آدمی ایک گھنٹے میں تین میل چلتا ہے اگر وہ مسلسل بغیر وقفے کے ۲۶ ہزار ۳۸۰ گھنٹوں تک چلتا رہے تو تب ۷۵ ہزار میل کا سفر پورا ہوگا۔ کم وبیش ایک ہزار دن رات کی مسلسل مسافت انسانی طاقت سے باہر ہے اور اللہ نے انسان کے ارادہ و اختیار کے بغیر جسمانی مشینری کو متحرک رکھنے کے لئے دل کی ڈیوٹی لگا دی ہے کہ اپنے اندر پھیلنے اور سکڑنے کی صلاحیت کو بروئے کار لاکر سارے جسم کے ایک ایک عضو کو خون فراہم کرتا رہے۔

****

ان خدمات کے لئے آدمی اللہ کو کتنے پیسے دیتا ہے۔ آدمی زبانی کلامی بھی شکر ادا نہیں کرتا۔

سب تعریفیں اللہ رب العالمین کے لئے ہیں۔

جو عالمین کی خدمت کرتا ہے۔

جو عالمین کو وسائل فراہم کرتا ہے۔

جو عالمین کو رزق دیتا ہے۔

جو عالمین میں آباد مخلوق کو زندہ رہنے کے لئے اور مرنے کے بعد کی زندگی کے لئے وسائل فراہم کرتا ہے۔

جس بندہ کا...... اللہ سے .... تعلق قائم ہوجاتا ہے اس کے اندر اللہ کا وصف منتقل ہوجاتا ہے.......اور اللہ رب العالمین کا وصف خدمت خلق ہے۔ کوئی نبی، کوئی رسول، کوئی روحانی آدمی ایسا نہیں گزرا جس نے اللہ کی مخلوق کی خدمت نہ کی ہو...... مخلوق کی خدمت اللہ کا ذاتی وصف ہے جو بندہ مخلوق کی خدمت کرتا ہے فی الحقیقت اس نے وہ کام شروع کر دیا ہے جو اللہ کررہا ہے۔ جتنا زیادہ مخلوق کی خدمت میں انہماک بڑھتا ہے اس ہی مناسبت سے بندہ اللہ سے قریب ہوجاتا ہے۔ اللہ سے اس کی دوستی ہوجاتی ہے۔

روحانی استاد اپنے شاگردوں کو بتاتا ہے۔

مخلوق کی خدمت اللہ کی پسندیدہ عادت ہے.......

روحانی آدمی اللہ کی مخلوق سے محبت کرتا ہے.....

جو بندہ مخلوق سے نفرت کرتا ہے اور تفرقہ ڈالتا ہے وہ اللہ کا دوست نہیں ہے.....

اللہ کا دوست خودغرض نہیں ہوتا.......

اللہ کا دوست خوش رہتا ہے اور سب کو خوش دیکھنا چاہتا ہے۔

ماں باپ بچے کی چھوٹی چھوٹی باتوں سے خوش ہوتے ہیں اسی طرح اللہ بھی اپنی مخلوق کی چھوٹی چھوٹی باتوں سے خوش ہوتا ہے ایسی باتوں سے جن

کے پیچھے خلوص نیت اور مطمح نظر صرف اللہ ہو۔

اللہ اپنی مخلوق کی خدمت گزاری میں مصروف ہے۔

ہر بندہ پر لازم ہے کہ وہ شکرگزار بندہ بن کر اللہ کی مخلوق کی خدمت کرے......اور ..... اللہ کا دوست بن جائے۔

ہمارا دل

ہمارے ایک دوست کی بہن بیمار ہوگئیں۔ جب چھوٹے معالجین سے علاج ممکن نہیں ہوا تو بڑے ڈاکٹروں سے رجوع کیا۔ ہزاروں روپے ٹیسٹ رپورٹوں پر خرچ ہونے کے بعد عقدہ کھلا کہ گردے سکڑ گئے ہیں اور اس کا علاج مشینوں کے ذریعے گردوں کو دھونا اور خون پورے جسم سے نکال کر دوبارہ شریانوں میں ڈالنا ہے۔

میڈیکل ٹیکنالوجی میں اس کا نام **Dialysis** ہے۔ ہفتے میں دو بار گردوں کو صاف خون ترسیل کرنے کے لئے جتنا خرچ ہوتا ہے وہ سالانہ ایک لاکھ چالیس ہزار روپے بنتے ہیں۔ جب یہ علاج بھی کارگر نہ ہوا تو گردوں کا **Transplant** عمل میں آیا۔ بڑی بہن نے چھوٹی بہن کو ایک گردہ منتقل کر دیا۔ گردے کی تبدیلی کے بعد ہر روز لازماً جو دوا کھانی پڑتی ہے اس کی عام

قیمت ساڑھے تین ہزار اور بلیک میں (اور جو اکثر بلیک میں ہی ملتی ہے) پانچ ہزار روپے بتائی جاتی ہے۔ اتنی قیمتی دوا کا **Reaction** بھی ہوتا ہے۔ اس کے لئے علیحدہ سے دوائیاں تجویز کی جاتی ہیں۔ اتنا زیادہ خرچ کرنے کے بعد بھی مریض نارمل انسان کی طرح زندگی نہیں گزارتا۔ سر کے بال اڑ جاتے ہیں' ہاتھ پیروں پر اکثر سوجن رہتی ہے۔

گردوں کا خاص کام یہ ہے کہ وہ جسم کا کثیف پانی خون کے اندر سے نکال دیتا ہے اگر یہ کثیف پانی صاف نہ ہو تو جسم میں زہر پھیل جاتا ہے۔ قدرت نے گردوں کو اتنی سمجھ دی ہے کہ وہ نہایت ہوشیاری سے اچھی اور بری چیز کو پہچان کر صرف نقصان پہنچانے والے بیکار مادوں کو خون میں سے باہر کھینچ لاتے ہیں۔ مفید اور قیمتی پروٹین کو خون کے اندر ہی رہنے دیتے ہیں۔ مجموعی طور پر گردوں کی کارکردگی بیان کی جائے تو کہا جائے گا۔

''گردے چھاننے اور نتھارنے (**Filter**) کا عمل کرتے ہیں اس لئے کہ خون کی صفائی تندرستی کے لئے لازمی ہے۔''

جب تک گردے صحتمند رہتے ہیں یہ عمل انسان کے ارادے اور اختیار کے بغیر ہوتا رہتا ہے اور جب انسان کی غلطیوں بد پرہیزی کے ساتھ گردوں کا عمل متاثر ہوتا ہے تو ہمیں گردوں کی خدمات حاصل کرنے کے لئے سینکڑوں ڈالر خرچ کرنے پڑتے ہیں۔

یہی حال ہمارے ہر ہر عضو کا ہے۔

مثلاً.......دل ہمارے سارے بدن میں خون پہنچانے کے لئے

ایک آلہ ہے جو ایک منٹ میں ستر........بہتر بار سکڑتا پھیلتا ہے اور دل کی یہ خدمت عمر بھر جاری رہتی ہے۔

قدرت کی فیاضی دیکھئے!

ہمارا دل چھ سیر خون متواتر پمپ کرتا ہے۔ اگر آدمی پچاس سال زندہ رہے تو دل اس مدت میں تقریباً بارہ ہزار ٹن خون پمپ کر دیتا ہے۔

اگر دل خراب ہو جائے یا شاعروں کی زبان میں روٹھ جائے تو اسے منانے اور خدمت پر مستعد کرنے کے لئے پندرہ ہزار پونڈ یا سات لاکھ روپے خرچ کرنا پڑتے ہیں پھر بھی نارمل انسان کے دل کی طرح دل خدمت نہیں کرتا اس کے لئے بھی ہمیں تاحیات قیمتی ادویات کا سہارا لینا پڑتا ہے اور ہماری کارکردگی یقیناً متاثر ہوتی ہے۔

• گردن سے رانوں کے اوپر تک ہمارا جسم ایک صندوق کی طرح ہے۔ اس صندوق کی دیواروں کے درمیان (پسلیوں کے نیچے) دو پھیپھڑے ہیں۔ پھیپھڑے دھونکنی کی طرح سکڑتے اور پھیلتے رہتے ہیں۔ سانس اندر جانے اور باہر نکلنے کا دارومدار پھیپھڑوں کے پھیلنے اور سکڑنے پر ہے۔ آدمی ایک منٹ میں سولہ یا سترہ بار سانس لیتا اور نکالتا ہے۔ سولہ مرتبہ سانس کے حساب سے پچاس سال کی عمر تک ہر ایک انسان نو کروڑ بیانوے لاکھ بیس ہزار مرتبہ سانس لیتا اور نکالتا ہے اور انسان سانس اسی وقت لے سکتا ہے جب خلا میں ہوا اور آکسیجن موجود ہوں۔ آکسیجن کا ایک سیلنڈر جو چند روز چلتا ہے ساڑھے سات ہزار روپے کا ملتا ہے۔ اس پر مصنوعی سانس کے دباؤ کی تکلیف

اضافی ہے جس کی ہم سکوں (Currency) میں قیمت نہیں لگا سکتے۔

اسی طرح جسمانی سسٹم کو قائم رکھنے کے لئے پوری مشینری کے کل پرزے ہیں...... سکوں پر جینے والا انسان سکے بھی اسی وقت خرچ کرتا ہے جب اس کے ہاتھ پیر اور دماغ کام کرتا ہو۔

انسان بھی عجیب ہے۔ اللہ تعالیٰ کی اس انمول مشین کو لئے پھرتا ہے جس کا حساب کتاب قیمت میں نہیں لگایا جا سکتا۔ عمر کا بڑا حصہ تندرستی میں گزار دیتا ہے مگر جسمانی مشین میں فٹ اعضاء رئیسہ شریفہ کا اسے خیال ہی نہیں آتا اور جب اعضاء پر اضمحلال طاری ہوتا ہے اور بدن کی ایک ایک چول ہل جاتی ہے تو زندگی کی جمع پونجی ڈاکٹروں' حکیموں کی نظر کر دیتا ہے۔ نادان یہ سمجھتا ہی نہیں کہ بیماری اور پریشانی ہی تو اسے رب کائنات کی عطا کی طرف متوجہ کرتی ہے اور شکر گزاری کے جذبات و احساسات سے باخبر کرتی ہے۔

ہمیں اپنے دماغ کو بھی استعمال کرنا نہیں آتا۔ جو خیالات ہمیں خوشی بخشتے ہیں ہمارا ذہن انہیں قبول نہیں کرتا اور جو خیالات پریشانی اور بے سکونی کی تصویریں بناتے ہیں ہمارے نزدیک ان کی قدر و قیمت بہت ہے۔ ہم پریشان ہو کر بہت خوش ہوتے ہیں۔ سچی بات یہ ہے کہ ہم خوشی سے واقف ہی نہیں ہیں۔

مفکر کائنات عظیم المرتبت روحانی سائنسدان میرے مرشد کریم' حضور قلندر بابا اولیاءؒ اپنی رباعی میں فرماتے ہیں:

آدم کا کوئی نقش نہیں ہے بیکار
اس خاک کی تخلیق میں جلوے ہیں ہزار
دستہ جو ہے کوزے کو اٹھانے کے لئے
یہ ساعد سیمیں سے بناتا ہے کمہار

آدم کی تخلیق میں اللہ پاک کی بیشمار صفات اور روشنیاں کام کر رہی ہیں۔ ہر روشنی آدم کے لئے آئینہ ہے.....اندر باہر نگاہ کے سامنے آنے والا ہر نقش خالق کی صفات و کمالات کا آئینہ دار ہے۔ آدم جلوؤں اور رنگوں کے ساتھ خالق کائنات کا شاہکار ہے۔ روح جس نے خاکی جسم کو اٹھا رکھا ہے ساری عمر اسے اپنے کندھوں پر اٹھائے پھرتی ہے۔ روح نور ہے۔ نور جو لطافت میں خاک سے کسی طرح مطابقت نہیں رکھتا مگر خالقیت کی انوکھی شان ہے کہ لطیف نور نے کثیف مٹی کو اپنے دوش پر اٹھایا ہوا ہے اور نور انرجی میں منتقل ہو کر ہمارے اندر ہر ہر عضو کو فیڈ کر رہا ہے۔

اس فیڈنگ کی کوئی فیس نہیں ہے اور نہ کوئی بل آتا ہے۔ انسان اتنا ظالم اور بے انصاف ہے کہ مفت میسر آنے والی ہر چیز کی قیمت وصول کر رہا ہے۔

قلندر باباؒ فرماتے ہیں۔

''اپنے اندر کا کھوج لگاؤ۔

دل شکر کے جذبات سے معمور ہو جائے گا۔

پھر کوئی بات تمہیں ناخوش نہیں کرے گی

اور یہ دنیا ارضی جنت بن جائے گی۔''

سب سے بڑی محرومی

تاریخی شواہد یہ ہیں کہ ساری دنیا ایک ڈرامہ ہے۔ ایسا ڈرامہ جس میں الگ الگ کرداروں کے ساتھ بیشمار کہانیاں ہیں۔ ہر کہانی کا آغاز ایک طرح ہوتا ہے اور ہر کہانی ایک ہی انجام پر ختم ہوتی ہے۔ کہانی در کہانی یہ دنیا عجیب دنیا ہے۔ کہانی کا ہر کردار سمجھتا ہے کہ میں ایک نئی دنیا ہوں لیکن یہاں کوئی بھی بات نئی نہیں ہے۔

انسان نے تاریخ کے نام پر کتابوں کے اتنے انبار لگا دیئے ہیں کہ اگر ان سب کو سمندر میں ڈال دیا جائے تو سمندر میں ایک جزیرہ بن جائے گا۔ ان اربوں کھربوں کتابوں کے مطالعہ سے انسانی ذہن نے یہ نتیجہ اختراع کیا ہے کہ زمین پر تین زمانے محیط ہیں۔

ماضی

حال

مستقبل

بڑے بڑے دانشور فلسفی حکماء سائنسدان ماہر نفسیات ماہر ارضیات اور نہیں معلوم کتنے شعبوں کے ماہرین یہ بات ثابت نہیں کر سکے کہ تین زمانے ماضی حال اور مستقبل کی حیثیت کیا ہے؟

کیا واقعتاً زمین ان تین دائروں میں مقید ہے؟

کیا کوئی بھی پیدا ہونے والا انسان ماضی حال اور مستقبل کے دائروں میں بند ہے؟

میں ایک بندہ بشر ہوں میری زندگی ایک کتاب ہے اس کتاب میں زندگی کے نشیب و فراز ماہ و سال شب و روز چھپے ہوئے ہیں۔ اسی طرح زمین پر موجود ہر بشر ایک کتاب ہے۔ جتنے سال یہ بشر دنیا میں رہتا ہے کتاب زندگی میں اتنے ہی ورق ہیں۔ میں اگر ستر سال کا بوڑھا ہوں تو میری کتاب زندگی میں ستر ورق ہیں۔ ورق کا ایک صفحہ مظاہراتی دنیا ہے اور ورق کا دوسرا صفحہ ماورائی دنیا ہے۔

زندگی کا پہلا ورق یہ ہے کہ میں نے اس دنیا میں قدم رکھا۔ ایک سال تک اس ورق پر نقش ابھرتے رہے اور نقوش زندگی بنتے رہے۔ دوسرے سال بھی پہلے سال کے نقوش گہرے ہوتے رہے۔ نتیجہ میں زندگی کے دو سال دو ورق بن گئے۔ پھر ان اوراق میں اضافہ ہوتا رہا لیکن نقوش میں

تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔

کتابِ زندگی دس صفحہ کی ہوئی' بیس صفحہ کی ہوئی' تیس صفحہ کی ہوئی' چالیس صفحہ کی ہوئی' ساٹھ صفحہ کی ہوئی اور جب ستر اسی سال کے اوراق پورے ہوئے تو کتاب بند ہو گئی۔

اس عمل کو اہل دانش ارتقائی عمل قرار دیتے ہیں۔ ارتقائی عمل بھی خوب ہے کہ کسی ایک نقطہ پر جا کر ختم ہو جاتا ہے اور اس طرح ختم ہو جاتا ہے کہ وجود ناپید اور ہستی عدم ہو جاتی ہے۔

دانشوروں کے ارتقائی عمل پر غور و فکر کیا جائے تو ذہن کی اسکرین پر یہ سوال ابھرتا ہے کہ ۷۰۔۸۰ سال کی زندگی حال اور مستقبل کس طرح ہوئی؟ یہ بات تو سمجھ میں آتی ہے کہ زمین پر موجود ہر شئے ہر تخلیق ہر نوع' نوع کا ہر فرد ماضی ہے اور سارا ارتقائی عمل ماضی کا **Repetition** ہے۔

ہمیں پیاس لگتی ہے لیکن اگر ماضی میں پانی موجود نہ ہو تو پیاس نہیں بجھتی۔ بھوک لگتی ہے لیکن اگر ماضی میں خورد و نوش کا سامان نہ ہو اور تسلسل نہ رہے تو بھوک رفع نہیں ہوتی۔ نوع انسان کا پہلا فرد ابو البشر آدم اگر ماضی میں نہ ہوتا تو نسل انسانی کے وجود کا تذکرہ ہی نہ ہوتا۔

یہ کیسی منطق ہے کہ ماضی کے **Repetition** کو حال اور مستقبل کا نام دیا جا رہا ہے۔ جب کہ ماضی پھیل رہا ہے اور سمٹ رہا ہے۔ ماضی پھیلتا ہے تو اس کو ارتقاء کہہ دیا جاتا ہے اور ماضی سمٹتا ہے تو اس کا نام تنزل رکھ دیا جاتا ہے۔

اندرون بین نظر سے دیکھا جائے تو زمین اور پوری کائنات ماضی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ زمین میں پیدا ہونے والا بچہ ابوالبشر آدم کی تصویر ہے جو **Negative** سے **Positive** بن رہی ہے **Negative** سے **Positive** تصویر کو حال اور مستقبل کیسے کہا جا سکتا ہے؟

آج پیدا ہونے والے بچے میں ۷۰۔۸۰ سال چھپے ہوئے ہیں فرق یہ ہے کہ اس بچے میں کیمیائی تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں۔ کیمیائی تبدیلیاں پہلے سے موجود روشنیوں میں تبدیلیاں ہیں۔ ان تبدیلیوں کی وجہ سے بچہ دو دائروں میں تقسیم ہو جاتا ہے ۔ ایک کو محسوس دنیا اور دوسری کو غیر محسوس دنیا سمجھا جاتا ہے۔ دانشوروں کے نزدیک محسوس دنیا قابلِ اعتماد ہے اور غیر محسوس دنیا اس لئے قابلِ اعتماد نہیں ہے کہ وہ آنکھوں کے سامنے مظہر نہیں بنتی حالانکہ غیر محسوس دنیا پیدا ہونے والے بچے کے لئے بنیاد ہے۔ اس لئے کہ جو بھی بچہ اس دنیا میں آتا ہے وہ اس دنیا سے آتا ہے جو نظروں کے سامنے نہیں ہے۔

بچے کے اندر بتدریج جب کیمیائی یا شعاعی تبدیلیاں ہوتی ہیں تو رفتہ رفتہ طبیعت کے لئے یہ تبدیلیاں معمول بن جاتی ہیں۔ کبھی حواس کے اوپر ان کا غلبہ زیادہ ہو جاتا ہے اور کبھی یہ غلبہ کم ہو جاتا ہے۔ تبدیلیوں کا کم یا زیادہ ہونا ردِ عمل ہے۔ جب تک ردِ عمل رہتا ہے طبیعت اس کو نہیں دہراتی اور جب ردِ عمل ہو چکتا ہے تو طبیعت دہرانے لگتی ہے۔ قانون یہ ہے کہ ردِ عمل محض وقتی ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

لوگوں کی یہ پرانی عادت ہے کہ جب ہمارا قاصد پیام لے کر ان کے پاس جاتا ہے تو وہ اس کا مذاق اڑاتے ہیں۔ ان لوگوں کی بے یقینی کا یہ عالم ہے کہ اگر ہم آسمان کے دروازے کھول دیں اور چڑھنے کے لئے ان کو زینہ مل جائے اور یہ سارا دن چڑھتے رہیں مگر یہی کہے جائیں گے کہ ہماری نگاہ پر جادو کردیا ہے۔ ہم تو نظر بندی میں مبتلا ہو گئے ہیں۔ حالانکہ واقعہ یہ ہے کہ ہم نے آسمانوں کے الگ الگ حصے کر دیئے ہیں اور ان کو مختلف طرزوں پر آباد کیا ہے۔ البتہ اس آباد کاری کو نظر والے ہی دیکھ سکتے ہیں اور جو شیطان مردود بے یقین ہے اس کی نگاہ سے ان آبادیوں کو مخفی کر دیا ہے۔ وہ ان بستیوں کو نہیں دیکھ سکتا لیکن جو لوگ چور دروازوں سے ان آسمانوں میں دیکھنے کی کوشش کرتے ہیں انہیں آگ کے سوا کچھ نظر نہیں آتا۔ (القرآن)

کائنات میں ہر چیز کا ایک تشخص ہے۔ یہ تشخص ہی پھیلتا اور سمٹتا رہتا ہے۔ یہ تشخص کائنات کی تخلیق سے پہلے ہی متعین کر دیا گیا ہے۔ جب ہم کائنات کی تخلیق سے پہلے کا لفظ استعمال کرتے ہیں تو اس کا مطلب ماضی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ یہ تشخص ہی حقیقی ہے خواہ وہ ذرۃ میں ہو' ستارے میں ہو' چاند میں ہو' سورج میں ہو' زمین میں ہو یا انسان میں ہو۔

انسان کا کوئی بھی کردار پہلے سے ماضی میں ریکارڈ ہے۔ ماضی میں موجود کسی بھی کردار یا صلاحیت کو انسان جتنا بیدار کر لے اتنی ہی وہ صلاحیت بیدار ہو جاتی ہے۔ مطلب یہ ہے کہ یہاں پر انسان ڈاکٹر بھی ہیں انجینئر بھی ہیں اور ٹیچر بھی ہیں۔ جو شخص انجینئر ہونا چاہے اپنے اندر موجود ریکارڈ

انجینئرنگ کی صلاحیت کو بیدار کر لے تو وہ انجینئر بن جاتا ہے۔ اگر کوئی شخص ڈاکٹر بننا چاہتا ہے وہ اپنے اندر موجود ڈاکٹر کی صلاحیت کو بیدار کر لے تو ڈاکٹر بن جاتا ہے۔ جو شخص اپنی ذات (ماضی) سے باخبر ہو جاتا ہے وہ ایسی دنیا میں داخل ہو جاتا ہے جہاں رنج و الم عدم تحفظ پریشانی بے سکونی اور ذہنی انتشار نہیں ہے۔ جس درجے میں جدوجہد اس صلاحیت کو بیدار کرنے میں اجاگر ہوگی۔ اس ہی مناسبت سے وہ کامیاب ہو جائے گا۔ اور جب کوئی شخص اپنی صلاحیتوں کی حقیقت اور مکمل کارکردگی سے بے خبر رہتا ہے وہ اپنی ذات کا جائزہ نہیں لے سکتا۔ وہ یہ نہیں جان سکتا کہ اس کی ذات کہاں تک محیط ہے اور یہی انسان کی سب سے بڑی محرومی ہے۔

سونا بنانے کا گُر

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں بیان فرمایا ہے کہ
''انسان ہماری بہترین صناعی ہے''۔

بہترین صناعی کا مفہوم یہ ہے کہ کائنات میں جتنی بھی مخلوقات ہیں انسان ان سب سے افضل ہے۔ انسان کو مخلوقات میں فضیلت اس بنیاد پر قائم ہے کہ اس کے اندر مخفی علوم جاننے سمجھنے اور ان علوم سے استفادہ کرنے کے لئے صلاحیتیں موجود ہیں۔ اب سے صدیوں پہلے کی سائنسی ایجادات ہوں یا موجودہ دور میں سائنسی ایجادات یہ سب دراصل مخفی صلاحیتوں کے استعمال کا مظاہرہ ہے۔ زمین پر موجود ہر شئے روشنی کے غلاف میں بند ہے اور روشنی کے غلاف میں مقداریں کام کر رہی ہیں۔ انسان جب مخفی صلاحیتوں کو بیدار کر کے کسی شئے میں خواہ وہ ایٹم ہی کیوں نہ ہو تفکر کرتا ہے تو اس کے اوپر

شئے کے اندر چھپی ہوئی قوتوں کا انکشاف ہوتا ہے۔ موجودہ سائنسی ترقی بھی اسی ضابطہ اور قاعدہ پر قائم ہے۔

سائنس دانوں نے جیسے جیسے تفکر سے کام لیا ان کے اوپر شئے کے اندر کام کرنے والی تخریبی اور تعمیری قوتیں آشکار ہوگئیں جس کے نتیجے میں ایٹم کے بارے میں سائنس دانوں کا خیال یہ ہے کہ کائنات میں جتنی بھی اشیاء ہیں خواہ وہ مائع ہوں یا ٹھوس ہوں یا گیس کی صورت میں ہوں سب کی سب ایٹموں سے بنی ہوئی ہیں اور خود ایٹم زیادہ تر ''خلا'' پر مشتمل ہے۔

بعض اشیاء میں تمام کے تمام ایٹم ایک جیسے ہوتے ہیں ایسی اشیاء کو عناصر کہا جاتا ہے جن میں ہائیڈروجن، کاربن، لوہا، سونا، سیسہ اور یورینیم جیسے قدرتی عناصر اور پلاٹینیم جیسے انسان کے بنائے ہوئے عناصر شامل ہیں۔ عناصر کے علاوہ مرکبات میں مختلف عناصر کے ایٹم ایک دوسرے میں جذب اور گندھے ہوئے ہوتے ہیں۔ اس طرح عناصر کی باہمی پیوستگی سے باضابطہ اور باقاعدہ سانچے میں ڈھلے ہوئے سالمات بنتے ہیں۔

ایٹم یونانی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی ''ناقابلِ تقسیم شئے'' کے ہیں۔ یونانی زبان میں ''ٹوم (TOM)'' تقسیم کرنے کو کہتے ہیں۔ آریائی زبانوں میں ''آ'' نفی کا کلمہ ہے۔ ایٹم کا نام دمقراط نامی سائنس دان کا وضع کردہ ہے۔ دمقراط نے یہ نظریہ پیش کیا کہ دنیا کی ہر شئے نہایت چھوٹے چھوٹے ناقابلِ تقسیم ذرّوں یعنی ایٹموں سے بنی ہے۔ ایٹم کا سائز ایک انچ کا ڈھائی کروڑواں حصہ یا ایک سینٹی میٹر کا تقریباً ایک کروڑواں حصہ ہوتا ہے

یعنی سوئی کی نوک پر لاکھوں ایٹم رکھے جاسکتے ہیں۔ ہلکی اشیاء کے ایٹم ہلکے اور بھاری اشیاء کے ایٹم بھاری ہوتے ہیں بشمول انسان تمام جانداروں کی روح بھی ایٹوں سے مرکب ہے۔ روح کے ایٹم باقی تمام اشیاء کے ایٹوں سے چھوٹے اور لطیف ہوتے ہیں۔ موت کے بارے میں دمقراط کا خیال تھا کہ جب روح کے تمام ایٹم جسم سے نکل جاتے ہیں تو موت واقع ہوجاتی ہے۔ اس حالت میں جسم میں روح کا ایک ایٹم بھی موجود نہیں رہتا جو خارج شدہ ایٹوں کو واپس لاسکے۔ اس لئے روح نکل جانے کے بعد آدمی زندہ نہیں رہ سکتا۔

ایٹم پر ریسرچ کرنے والے محققین نے تحقیق کی ہے کہ ہر ایٹم میں الیکٹران کی تعداد مختلف ہوتی ہے۔ الیکٹران ایک ترتیب اور توازن سے مرکزے کے گرد تہہ در تہہ مداروں میں گردش کرتے رہتے ہیں۔ الیکٹران کی گردش کے حوالے سے یہ سوالات ابھرے کہ وقت کے ساتھ ساتھ الیکٹران بتدریج تھکتے کیوں نہیں؟ ان کی توانائی میں کمی کیوں نہیں ہوتی؟ وہ تھک کر اور ٹوٹ پھوٹ کر مرکزے کے اندر کیوں نہیں گر جاتے؟ ان سوالات کا جواب یہ دیا گیا کہ الیکٹران مرکزے کے اردگرد "توانائی کی مختلف سطحوں پر" ایک خاص ترتیب سے بکھرے ہوئے گھوم رہے ہیں۔ وہ ایک سطح سے چھلانگ لگا کر دوسری سطح میں داخل ہوسکتے ہیں۔ لیکن دو سطحوں کے درمیان معلق نہیں رہ سکتے۔ جب کوئی ایٹم کسی بھی قسم کی شعاع حرارت کوسمک ریز روشنی کی شعاعوں کے زیر اثر آجاتا ہے تو اس کے الیکٹرانوں میں توانائی آجاتی ہے اور وہ

چھلانگ لگا کر اونچی سطح میں داخل ہوجاتے ہیں۔ جب بیرونی توانائی ختم ہوجاتی ہے تو الیکٹران چھلانگ لگا کر واپس قریب کی نچلی سطح میں آجاتے ہیں۔ توانائی ضائع یا فنا نہیں ہوتی اس لئے وہ روشنی کی صورت میں ظاہر ہوتی ہے۔ روشنی کا طول موج توانائی کی اس مقدار کے مطابق ہوتا ہے جو الیکٹران نے قبول کی تھی۔

ایٹم کی تحقیق میں ایک نئے باب کا اضافہ اس انکشاف سے ہوا کہ بعض عناصر سے شعاعوں کی صورت میں توانائی خود بخود خارج ہوتی رہتی ہے۔ ایسے عناصر میں دریافت ہونے والا سب سے پہلا عنصر یورینم تھا لیکن توانائی کا اس سے بھی بڑا منبع ریڈیم ہے۔ پائرے کیوری اور مادام کیوری نے دریافت کیا کہ ریڈیم سے شعاعیں نکلتی ہیں یعنی ریڈیم تابکار دھات ہے۔ یہ شعاعیں دیکھی جاسکتی ہیں اور ان کی پیمائش بھی کی جاسکتی ہے۔

لارڈ رتھرفورڈ فریڈرک سوڈی کے نظریہ سے اب تک کی جانے والی ایٹم کی تعریف تبدیل ہوگئی ہے۔ سینکڑوں برس سے یہ کہا جارہا تھا کہ ایٹم ناقابل تقسیم ہے۔ انہوں نے ثابت کیا کہ ریڈیم کا ایٹم مسلسل انتشار اور تقسیم در تقسیم کی حالت میں رہتا ہے۔ فعال ذرات ایک طرف ہٹ جاتے ہیں اور ایک ہلکا پھلکا ایٹم باقی رہ جاتا ہے جو طبعی اور کیمیائی لحاظ سے اصلی ریڈیم سے بالکل مختلف ہے۔

ایٹم پر ریسرچ کرنے والی لیبارٹریوں میں مصروف کار سائنٹسٹوں نے دعویٰ کیا ہے کہ ایٹم کی اندرونی صورتحال پیش کرنے والی تصاویر اتار لی

گئیں ہیں۔ اس سلسلے کا پہلا فوٹو پینسلوانیا یونیورسٹی کی جانب سے جاری کیا گیا۔ یہ تصویر اصل سائز سے دو لاکھ پچھتر ہزار گنا بڑی کر کے دکھائی گئی ہے۔

تحقیق اور تجربات سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ مادہ اور توانائی ایک ہی شئے کے دو روپ ہیں کیونکہ یہ تمام ذرات جو کہ اب تک معلوم کئے گئے ہیں توانائی کی صورت میں سامنے آئے ہیں یعنی ان بنیادی ذرات پر تجربات سے یا ان کی تقسیم اور ٹوٹ پھوٹ سے آخرکار توانائی ہی حاصل ہوتی ہے۔

سوال یہ ہے کہ مالیکیول ایٹم یا بنیادی ذرات جو اب تک دیکھے نہیں جاسکے ان کے بارے میں اتنی مفصل معلومات کن بنیادوں پر جمع کی گئی ہیں۔

سائنس دان اس کے جواب میں کہتے ہیں تجربات کے نتائج سے حاصل ہونے والے تاثر یا خصوصیت کے مظاہرہ کی صورت میں یہ اخذ کیا گیا ہے کہ ایٹم اور اس کے ذرات کیا ہیں۔ مثلاً ٹی وی اسکرین پر جو کچھ دکھائی دیتا ہے وہ الیکٹران دھار Electronic Beam کے بہاؤ کی وجہ سے ہوتا ہے جب کہ الیکٹران یا الیکٹران بیم دکھائی نہیں دیتی۔ اس طرح کے تجربات میں ایٹم کو جب کسی بیرونی قوت یا شعاع کے زیر اثر لایا جاتا ہے تو ایٹمی ذرات پر اس کی اثر پذیری کے نتائج ایک اسکرین پر دیکھے جاتے ہیں۔ اسکرین پر نظر آنے والا یہ Response روشنی کے دھبہ (Dot) رنگ یا ٹمٹماہٹ کی صورت میں ہوتا ہے۔ روشنی کا دھبہ گہرا ہوتا ہے ہلکا ہوتا ہے بڑا ہوتا ہے یا چھوٹا ہوتا ہے رنگ یا ٹمٹماہٹ کی صورت میں ہوتا ہے۔ اس طرح

ذرات کی خصوصیات معلوم کر لی جاتی ہیں۔

الیکٹران ایک ایسا ذرہ ہے جو اب تک ناقابلِ تقسیم ہے۔ باقی دونوں ذرّوں کا قابلِ تقسیم ہونا ثابت کیا جاچکا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے۔

ترجمہ۔ ''اور یہ جو بہت سی رنگ برنگی چیزیں اس نے تمہارے لئے زمین میں پیدا کر رکھی ہیں ان میں نشانی ہے ان کے لئے جو غور وفکر سے کام لیتے ہیں یعنی ریسرچ کرتے ہیں''۔

ترجمہ۔ ''اللہ روشنی ہے آسمانوں اور زمین کی''۔

ترجمہ۔ ''چھوٹے سے چھوٹی اور بڑے سے بڑی کوئی چیز ایسی نہیں ہے قرآن میں جس کی وضاحت نہ ہو''۔

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے۔

ترجمہ۔ ''اے پیغمبرﷺ کہہ دیجئے کہ اس کتاب کو اس نے اتارا ہے جو زمین اور آسمانوں کا جاننے والا ہے''۔

یعنی کائنات کا ایک ایک ذرّہ حتیٰ کہ اس کا ایک ایک ایٹم اور ایک ایک سالمہ (Molecule) اس کے علم میں ہے۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ:

ترجمہ۔ ''پاک اور بلند مرتبہ ہے وہ ذات جس نے مقداروں کے ساتھ تخلیق کیا اور پھر اس تخلیقی فارمولوں سے آگاہ کیا''۔

اس کا مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شئے کو معین مقداروں (ایٹم)

سے بنایا ہے اور یہ معین مقداریں دراصل اس شئے کے ظاہر اور باطن میں کام کرنے والی صلاحیتیں ہیں جو ایک قانون اور **Discipline** کے تحت ایک واحد ہستی کی نگرانی میں برقرار ہیں۔ بڑے بڑے اجرام سماوی معمولی اور ننھے سے ایٹم، ایٹم کے اندرونی خول یا اجزاء الیکٹران پروٹان اور نیوٹران اس ذات واحد کی نظروں کے سامنے ہیں۔ کوئی بھی ذرہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا اس کے احاطہ قدرت سے باہر نہیں۔

قرآن پاک میں ہے کہ:

ترجمہ۔ ''وہ ہر پوشیدہ چیز سے واقف ہے۔ اس کے علم سے کوئی رتی برابر چیز باہر نہیں۔ وہ چیز آسمانوں میں ہو یا زمین میں اور ان تمام چھوٹی بڑی چیزوں کا اور ان چیزوں کی تمام اقسام کے فارمولے کھلی کتاب میں موجود ہیں''۔ (سبا ۳)

سورۃ سبا کی اس آیت میں تین قسم کے ذرات کا بیان ہوا ہے۔

۱) رتی برابر ذرہ

۲) اس سے چھوٹا

۳) نسبتاً اس سے بڑا

تخلیق میں تین قسم کے ذرات پائے جاتے ہیں۔ ایک ایٹم دوسرے ایٹم کے اندرونی اجزاء اور سوئم ایٹم کے مرکبات۔

۱) ''مثقال ذرۃ'' یعنی وہ رتی برابر چیز ہے جس میں وزن پایا جاتا ہو۔ سب جانتے ہیں کہ رتی چھوٹے سے وزن کی تشخص ہے اس کا

مطلب یہ ہوا کہ ذرہ برابر چیز جس میں کوئی وزن ہے۔ جب ہم مادی تخلیق یا کسی بھی عنصر کا تذکرہ کرتے ہیں یا **Matter** کا لفظ استعمال کرتے ہیں اس کا مطلب ہی یہ ہے کہ وہ چیز جس میں وزن ہو اور معین مقدار یا مقداریں ہوں۔ ایٹم چونکہ ایک ایسی اکائی ہے جس کے اندر الیکٹران پروٹان اور نیوٹران موجود ہیں۔ اس لئے اس میں مقدار اور وزن دونوں ہیں۔ فزکس کے طالبات اور طلبہ یہ جانتے ہیں کہ ایٹم کا وزن معلوم کر لیا گیا ہے۔ ہائیڈروجن کے ایک ایٹم کا وزن اس کے ایک گرام مقدار کا ایک ہزار چوبیسواں حصہ ہوتا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ ایک گرام مادے میں کھربوں ایٹم ہوتے ہیں۔

۲) اس سے چھوٹا یعنی ایٹم سے نسبتاً چھوٹا الیکٹران پروٹان اور نیوٹران وغیرہ اور ایٹموں کے مرکزوں سے خارج ہونے والی الفا بیٹا اور گاما شعاعیں۔

۳) اور اس سے بڑا یعنی ایٹم سے بڑا۔ یعنی قیامت تک دریافت ہونے والے ہر ایٹم کے ذرات اور اجزاء خواہ وہ کتنے ہی چھوٹے ہوں اور کتنے ہی بڑے ہوں۔

قرآن میں تفکر کرنے سے یہ بات سمجھ میں آتی ہے کہ ایٹم کا خالق ایٹم کے اندرونی اجزاء کا خالق ارض و سماء کا خالق ایک ہے اور پوری کائنات اس کی ملکیت ہے۔ اس نے اس کائناتی سسٹم کو ایک ضابطہ کے ساتھ تخلیق کیا ہے اور ہر چیز کو معین مقداروں کے ساتھ وجود بخشا ہے۔ مقداروں کا یہ علم وہ لوگ حاصل کر لیتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق:

ترجمہ۔ ''اور جن لوگوں نے میرے لئے یعنی میری تخلیق کو جاننے

کے لئے جدوجہد اور کوشش کی میں انہیں اپنے راستے دکھاتا ہوں۔"

اللہ تعالیٰ نے قرآان میں لوہے (دھات) کا تذکرہ کیا ہے۔

"ہم نے نازل کیا لوہا (اس میں دوسری دھاتیں بھی شامل ہیں جیسے یورینیم وغیرہ) اور اس میں ہم نے انسانوں کے لئے بے شمار طاقت اور فائدے رکھ دیئے ہیں۔"

زمین کے اوپر جتنی گیسیں یا دھاتیں موجود ہیں ان کی پہچان ان مقداروں کی وجہ سے ہے جن مقداروں سے ان کی تخلیق ہوئی ہے۔ ہم جب لوہے کا تذکرہ کرتے ہیں تو اس میں جو مقداریں کام کرتی ہیں وہ یہ ہیں۔

62+59+24+48+30+42+35+1

اور جب ہم سونے (Gold) کا تذکرہ کرتے ہیں تو اس کی مقداریں یہ ہیں۔

51+50+31+35+3

اگر کوئی صاحب بصیرت ان مقداروں سے واقف ہو جائے جو اشیاء کی تخلیق میں کام کر رہی ہیں تو وہ مقداروں کو کم و بیش کر کے شئے میں ماہیت قلب کر سکتا ہے۔ مقداروں کا علم اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ دھات سیسہ (Led) میں ایسی مقداریں موجود ہیں جو ایٹم کی قوت پر غالب آسکتی ہیں۔ یہ دونوں دھاتیں تسویدی لہروں سے فیڈ ہوتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے۔

"زمین اور آسمان اور اس کے اندر جو کچھ ہے۔ سب کا سب

انسانوں کے لئے مسخر کر دیا گیا ہے۔"

اس کا مفہوم یہ ہے کہ انسان زمین و آسمان میں موجود کسی بھی شئے کے اندر جب تفکر کرے گا تو اس شئے کے اندر کام کرنے والی مقداروں کا علم بھی اسے حاصل ہو جائے گا۔

مذہبی دانشور اس آیت کی تفسیر میں ارشاد فرماتے ہیں کہ زمین و آسمان چاند سورج اور ہوا پانی کو ہماری خدمت گزاری کے لئے معمور کر دیا گیا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ چاند سورج زمین صرف انسانوں کی خدمت گزاری میں مصروف نہیں ہیں زمین پر موجود ہر مخلوق کی خدمت گزاری میں مصروف ہیں۔ جس طرح ایک انسان سورج کی روشنی اور چاند کی چاندنی سے فائدہ اٹھاتا ہے اسی طرح پرندے درندے چرندے اور اشجار بھی فائدہ اٹھاتے ہیں یعنی چاند سورج زمین پر موجود تمام مخلوق کی خدمت گزار ہیں۔ محکوم اور مسخر ہونے سے مراد یہ ہے کہ انسان کو ان مقداروں کا علم عطا کر دیا گیا ہے جن مقداروں (Formula) پر چاند سورج زمین فرشتے جنات نباتات و جمادات قائم اور متحرک ہیں۔

مختصر یہ کہ ایٹم مقداروں کا ایک مرکب ہے اور یہ مقداریں مادیت کی اکائی ہیں۔ مادیت کی ہر اکائی نور کے غلاف میں بند ہے۔ نور کے اوپر روشنی کا غلاف ہے۔ روشنی کی رفتار ایک سیکنڈ میں ایک لاکھ چھیاسی ہزار دو سو بیاسی میل بتائی جاتی ہے۔ روشنی کی رفتار سے ہزاروں گنا نورانی لہروں کی رفتار ہے۔ نور اور روشنی مرکب اور مفرد دو لہروں کا ایک جال ہے جس کے اوپر

چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا ذرہ بنا ہوا ہے۔ مگر جب روشنی کی سطح سے نکل کر نور میں داخل ہو جاتا ہے تو چھوٹے سے چھوٹے ذرہ اوراس کے اندر ناقابل بیان طاقت (Energy) انسانی ذہن پر منکشف ہو جاتی ہے۔ اس انرجی کو تعمیر اور تخریب دونوں میں استعمال کیا جا سکتا ہے۔

موجودہ سائنسی ترقی میں جو عوامل کام کر رہے ہیں ان میں انفرادی سوچ اور مادی مفاد کا عمل دخل ہے۔ اس لئے یہ ساری ترقی نوع انسانی کے لئے ہلاکت کا پیش خیمہ بن گئی ہے۔ اگر یہی ترقی و ایجاد قرآن و حکمت اور پیغمبرانہ طرز فکر کے مطابق ہو تو سائنس نوع انسانی کے لئے سکون و روشنی کا گہوارہ بن جائے گی۔ فی الوقت صورتحال یہ ہے کہ ترقی کا فسوں انسانی نسل کو آتش فشاں کے کنارے لے آیا ہے۔ یہ دنیا کسی بھی وقت بھک سے اڑ جائے گی۔

اس لئے کہ جو چیز بن جاتی ہے
اس کا استعمال اور اس کا مظاہرہ ضرور ہوتا ہے۔

بارش

اس رنگ رنگ دنیا کو رونق بخشنے کے لئے قدرت نے حیات و ممات کا ایک مکمل سسٹم بنایا ہے۔ زمین پر جو بھی چیز موجود ہے وہ حیوانات ہوں، جمادات ہوں، نباتات ہوں۔ حیوانات میں پرندے ہوں، چرندے ہوں، درندے ہوں یا انسان ہوں اور زمین کے اوپر یا زمین کے اندر حشرات الارض ہوں۔

زمین پر تین حصے پانی کی حکمرانی ہے۔ پانی کی مخلوق میں گھونگے ہوں سیپ ہوں موتی ہوں مرجان ہوں دریائی گھوڑا ہو یا اور بیشمار پانی سے جنم لینے والی مخلوقات ہوں۔ نباتات میں درخت ہوں پودے ہوں پھول ہوں کھانے پینے کے لئے گھاس ہو ترکاریاں اور سبزیاں ہوں۔ جمادات میں معدنیات ہوں معدنیات میں ہیرے جواہرات ہوں زینت و زیبائش کے

لئے طرح طرح کے خوبصورت اور قیمتی پتھر ہوں تانبہ ہو پیتل ہو ایلومینیم ہو گیس ہو پیٹرول ہو چاندی ہو یا سونا ہو۔ سب کی تخلیق کا قانون ایک ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر چیز پیدا ہوتی ہے جوان ہوتی ہے اور کہن سالی میں منتقل ہو کر اس زمین سے غائب ہو جاتی ہے۔ پیدائش کا سسٹم ہو اس سسٹم میں جوانی بڑھاپا یا موت ہو سب ایک معین قانون کے تحت حرکت کرتے ہیں اور یہ حرکت اس دنیا سے نکل کر دوسری دنیا میں بھی جاری رہتی ہے۔ قدرت کا نظام جس طرح پیدا کرنے کا پابند ہے اسی طرح ہر چیز کی حفاظت بھی اس نظام کی ذمہ داری ہے۔

زمین کے اوپر اللہ تعالیٰ نے چھت بنائی ہے اور اس چھت کو ستاروں سے چاند سے سورج سے ایسا مزین کیا ہے کہ انسان دیکھ کر خوش بھی ہوتا ہے اور حیرت زدہ بھی ہوتا ہے۔ حسن کا معیار یہ ہے کہ کوئی خوبصورت ہوتا ہے کوئی کم صورت ہوتا ہے کوئی بدصورت ہوتا ہے۔ یہ خوبصورتی کم صورتی اور بد صورتی زمین پر موجود ہر نوع کے افراد میں مشترک ہے۔ جس طرح انسانوں میں لوگ خوبصورت ہوتے ہیں کم صورت ہوتے ہیں مضبوط ہوتے ہیں کمزور ہوتے ہیں اسی طرح نباتات میں بھی مضبوط درخت نازک درخت بدصورت درخت ہر وقت آنکھوں کے سامنے ہیں۔

زمین کے اوپر اگر نباتات کی دنیا نہ بسی ہوئی ہوتی تو زمین اجاڑ لگتی۔ زمین کے اندر کشش باقی نہ رہتی۔ نباتات کی دنیا نہ ہوتی تو انسان کو کھانے کے لئے اجناس میسر نہ آتیں۔ درخت نہ ہوتے تو کوئلہ نہ بنتا۔ کوئلہ نہ ہوتا تو

خوردونوش میں انسان اور شیر برابر ہو جاتے' کوئلہ یا لکڑی یا گیس کھانا پکانے میں کام آتے ہیں اور ساتھ ہی ساتھ آگ سے انسانی زندگی کی ایجادات کا براہ راست تعلق ہے۔ یہ آگ ہی ہے جو لوہے کو پگھلا کر انسانی زندگی کے لئے آرام و آسائش میسر کرتی ہے۔ یہی کوئلہ جو انسان کو زندگی فراہم کرتا ہے اگر کسی کمرے میں جلا کر کھڑکیاں اور دروازہ بند کر دیا جائے تو آدمی کا دم گھٹ جائے گا۔

کوئلہ کو خوبصورتی کا نام نہیں دیا جا سکتا لیکن اس بدصورت شئے کے اندر قدرت نے جو صلاحیت محفوظ کر دی ہے اس سے مردہ اقوام زندہ ہو گئی ہیں اور زندہ اقوام جنہوں نے کوئلے کی صلاحیت کا سراغ نہیں لگایا اور کوئلے کی صلاحیت سے اجتماعی فوائد حاصل نہیں کئے وہ مردہ ہو گئی ہیں۔

انسان مر جاتا ہے قبر میں دفن کر دیا جاتا ہے جب قبر میں انسان کا گوشت پوست اور ہڈیاں مٹی میں تبدیل ہو جاتی ہیں تو یہی مٹی اینٹ بن جاتی ہے۔ یہی مٹی پھول بن جاتی ہے اور یہی مٹی پھلوں کی شکل اختیار کر لیتی ہے۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے مجھے ایک قصہ سنایا تھا۔ ''نانا تاج الدین ناگپوریؒ کی خدمت میں کھانے کے لئے ایک امرود پیش کیا گیا۔ قاش جب ہونٹوں سے لگی تو انہوں نے فرمایا '' یہ کسی مردے کا گوشت ہے۔'' یہ کہہ کر امرود کی قاش انہوں نے پھینک دی۔ حاضرین مجلس میں سے کچھ لوگوں کو تجسس ہوا کہ امرود کی قاش سے مردہ گوشت کا کیا تعلق ہے۔ دو معزز حضرات مجلس سے اٹھے اور فروٹ کی اس دکان پر پہنچے جہاں سے امرود خریدے گئے

تھے۔ دوکاندار نے سبزی منڈی میں آڑھتی کا پتہ بتایا۔ آڑھتی نے اس زمیندار کا پتہ بتایا جہاں سے امرود اس کے پاس آئے تھے۔ زمیندار نے بتایا کہ جس باغ کے یہ امرود ہیں یہاں ایک قبرستان تھا۔ قبرستان میں ہل چلوا کر امرود کا باغ لگایا گیا ہے۔"

قطار در قطار درختوں پر اور چھتری کی طرح سایہ دار درختوں پر اور پودوں پر سائنس نے ریسرچ کی ہے اور یہ ریسرچ اب اتنی زیادہ ہوگئی ہے کہ زرعی یونیورسٹیاں قائم ہوگئی ہیں۔ پودوں کی دو قسمیں ہیں۔ وہ پودے جو بیج میں سے دو پتے بن کر نمودار ہوتے ہیں۔ دوسری قسم یہ ہے کہ اس میں ایک پتا نکلتا ہے۔ جب پودا جڑ پکڑ جاتا ہے یہ پتے سوکھ جاتے ہیں۔ نباتات میں بھی Cells خلیے ہوتے ہیں۔ ہر خلیے کی بیرونی دیوار آکسیجن، ہائیڈروجن اور کاربن سے تیار ہوتی ہے۔ اس بات کا ہر وقت مشاہدہ کیا جاسکتا ہے کہ جڑ کے آخری کنارے پر اور پوری جڑ پر ایک غلاف چڑھا ہوا ہوتا ہے۔ جڑ کی نوک میں اتنی طاقت اور Force ہوتی ہے کہ وہ سخت پہاڑوں کو بھی چیر کر نکل جاتی ہے۔

ہر شئے کی بنیاد پانی ہے۔ پانی کے اوپر ہی تخلیق کا پورا نظام چل رہا ہے۔ پانی نہ ہو تو زمین بے آب و گیاہ و بنجر بن جائے گی۔ پودوں درختوں اور نباتات کی دوسری چیزوں کی نشوونما کے لئے نمی ہوا اور گرمی کا ہونا ضروری ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ فاسفورس پوٹاشیم اور نائٹروجن نہ ہو تو تب بھی نشوونما نہیں ہوگی اور یہ سب چیزیں قدرت نے پانی میں جمع کردی ہیں۔ جب پانی

زمین میں دوڑتا ہے تو جڑیں پانی کو چوس کر اپنے اندر جذب کرلیتی ہیں۔ درختوں کے ساتھ اگر پتے نہ ہوں تو انہیں درخت نہیں کہا جاتا۔ درختوں کی زیبائش ہی پتوں کے ساتھ ہے لیکن یہ پتے صرف زیبائش کا ہی کام نہیں کرتے ان کے اوپر درخت کی زندگی کا انحصار بھی ہے۔

ہر پتے میں رگیں ہوتی ہیں۔ مسامات ہوتے ہیں۔ یہ مسامات کاربن کو پتوں کی رگوں میں دوڑاتے ہیں اور یہی مسامات آکسیجن کو باہر نکالتے ہیں۔

پتوں کی بھی ایک پوری دنیا ہے۔ پتے درخت کو زندہ بھی رکھتے ہیں اور یہی پتے اگر بیمار ہوجائیں تو درخت بھی بیمار ہو کر ختم ہوجاتا ہے۔ یہی پتے جب زمین پر گرتے ہیں تو زمین کے اوپر نباتات کے لئے کھاد کا کام دیتے ہیں۔ انسان کے پاس ایسی کوئی طاقت نہیں ہے کہ وہ اتنی بڑی زمین پر کھاد ڈال سکے۔ بارش برستی ہے بجلی کڑکتی ہے بجلی کی کڑک سے اور بارش کی بوندوں سے کھیتوں کو بیش بہا نائٹروجن مہیا ہوتی ہے۔

دنیا میں ہر چیز ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہے۔ ہر چیز دوسری چیز کے لئے ایثار کر رہی ہے۔ ہر چیز دوسری چیز کی خدمت میں مصروف ہے۔ پھولوں میں رنگ و بو بھنورے اور مکھیوں کو اپنی طرف کھینچ رہی ہے۔ انجیر کے بارے میں بتایا جاتا ہے کہ انجیر کے درخت پر پھول نہیں لگتا۔ انجیر کے اندر ایک زوجین چھوٹا سا غنچہ ہوتا ہے۔ ایک خاص قسم کی بھڑ نر اور مادہ غنچوں میں انڈے دے جاتی ہے۔ جب بچے نکلتے ہیں تو نر انجیر مادہ انجیر

میں چلے جاتے ہیں۔

بعض بیلیں براہ راست زمین سے غذا حاصل نہیں کرتیں بلکہ دوسرے درختوں کے رس پر پلتی ہیں اور یہ درخت رفتہ رفتہ خشک ہو جاتے ہیں۔ درختوں کی جڑیں کیونکہ پانی کو جذب کر لیتی ہیں اس لئے زمین پر دلدل نہیں بنتی۔ فضا جب درختوں کے سانس سے بھر جاتی ہے تو بادل وزنی ہو کر برسنے لگتے ہیں۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ نے گفتگو کے درمیان ایک مرتبہ بتایا۔

''ریگستان میں اگر بے شمار بانس کھڑے کر دیئے جائیں اور ان بانسوں کو مختلف رنگوں سے رنگ دیا جائے تو قانون یہ ہے کہ ریگستان میں بارش برسے گی اور جب تک بانس لگے رہیں گے بارش برستی رہے گی۔ تا آنکہ ریگستان نخلستان اور جنگل میں تبدیل ہو جائے۔''

سمندر کے اندر کی دنیا پر غور کیا جائے تو وہاں بھی یہی نظام عمل کار فرما ہے۔ ہر چیز دوسری چیز کے کام آرہی ہے اور ہر چیز دوسری چیز کی خوراک بن رہی ہے۔

غیر حقیقی طرز گفتگو یہ ہے کہ انسان گندم کھا رہا ہے جب کہ مشاہدات یہ ہیں کہ گندم کھانے والا انسان مر جاتا ہے اور گندم باقی رہتی ہے۔ حقیقی طرز تکلم یہ ہے کہ گندم انسان کو کھا رہا ہے۔

حیوانات کی زندگی کا دارومدار آکسیجن پر ہے اور نباتات کی زندگی کا انحصار کاربن پر ہے۔ اگر آکسیجن کم ہو جائے تو حیوانات ہلاک ہو جائیں گے

اور کاربن کا ذخیرہ نہ رہے تو نباتات فنا ہو جائیں گی۔ کائناتی سسٹم نے کاربن کو نباتات کی اور آکسیجن کو حیوانات کی غذا بنا دیا ہے۔ سائنس دانوں نے اندازہ لگایا ہے کہ حیوانات ایک سال میں ۶۰ کروڑ ٹن کاربن سانس کے ذریعے خارج کرتے ہیں جس میں ۲۰ کروڑ ٹن خالص کوئلہ ہوتا ہے۔ اسی طرح حیوانات ایک سال میں آٹھ کھرب مکعب میٹر آکسیجن استعمال کرتے ہیں۔

الحمدللہ رب العالمین ہر قسم کی تعریفات اللہ کے لئے ہیں جو ایسا منتظم اعلیٰ ہے جس نے عالمین کے لئے ایک مکمل نظام ربوبیت قائم کیا ہے۔ زمین کے اوپر موجود مخلوقات کی یہ بہت مختصر روئیداد اس لئے لکھی گئی کہ ہمارے اندر تفکر پیدا ہو۔ ہم یہ دیکھ سکیں اور سمجھ سکیں اور اس بات پر یقین کریں کہ نظام کائنات میں یہ قدر مشترک ہے کہ ہر چیز دوسری چیز سے ایک مخفی رشتے سے بندھی ہوئی ہے اور یہ مخفی رشتہ ایسا مضبوط رشتہ ہے کہ مخلوق میں کوئی ایک فرد بھی اس رشتہ سے انکار کر سکتا ہے اور نہ اس رشتے کو توڑ سکتا ہے۔ جب تک کوئی شئے دوسری شئے کے کام آرہی ہے اس کا وجود ہے ورنہ پھر وہ شئے مٹ جاتی ہے۔ یہ پورا نظام ہے جو پانی کی دنیا میں زمین کے اوپر کی دنیا میں زمین کے اندر کی دنیا میں فضا میں خلا میں آسمانوں میں اور انسانوں میں جاری و ساری ہے۔

قدرت یہ بھی چاہتی ہے کہ زمین کا کوئی خطہ کوئی حصہ قدرت کے فیض سے محروم نہ رہے۔ قدرت نے اسی لئے درختوں کو دور دراز زمین تک پہنچانے کے لئے وسائل بنائے ہیں۔ ہوا نے بیجوں کو اپنے دوش پر بٹھا کر دور

دراز مقامات تک پہنچایا۔ نالوں ندیوں اور دریاؤں نے بیجوں اور جڑوں کو زمین کے ہر خطہ تک پہنچا دیا۔

جب کوئی قوم اس سسٹم سے تجاوز کرتی ہے اور ایثار سے خود کو محروم کر دیتی ہے تو قدرت اسے مٹا دیتی ہے۔

''اگر تم نے کائناتی سسٹم سے منہ پھیر لیا تو یہ زمین کسی اور قوم کے قبضہ میں دے دی جائے گی۔'' (القرآن)

جو قوم غیروں کے دسترخوان کے لقموں پر پلتی ہے محنت اور ایثار سے کام نہیں لیتی صرف دعاؤں اور وظیفوں میں مصروف رہتی ہے اور عملی اقدام نہیں کرتی وہ خشک درخت کی طرح ہے جس کا کوئی سایہ نہیں ہوتا جس پر کوئی پھل نہیں لگتا۔ وہ صرف جلانے کے کام آتا ہے۔

اس خوبصورت زمین پر صرف وہ قومیں باقی رہتی ہیں جو مظاہر فطرت کے جاری و ساری قانون سے واقف ہوں اور حیرت انگیز تخلیق اور نظام آفرینش کا مطالعہ کرتی ہوں۔ ظالم اور جاہل نہ ہوں۔ سب سے بڑا ظلم اور جہالت یہ ہے کہ انسان کو یہ معلوم نہ ہو کہ آسمانی دنیا کا مشاہدہ کئے بغیر کوئی قوم کائناتی سسٹم سے واقف نہیں ہوتی اور اپنی ذات کا عرفان نہ ہو تو انسان اور حیوان ایک گروہ کے دو افراد ہیں۔ انسان کو یہ معلوم ہونا چاہئے کہ زمین کے خزانوں کو استعمال کئے بغیر کوئی قوم زندہ نہیں رہ سکتی۔ زمین کے خزانوں کے استعمال کا عمل اور طریقہ قرآن میں تفکر اور زندگی میں ایثار کے علاوہ کچھ نہیں ہے اور اس کی مثال ہمارے سامنے حضرت ابراہیمؑ اور حضرت اسمٰعیلؑ

کا یقین و ایثار ہے۔

حضرت ابراہیمؑ نے باطل عقائد کی تکذیب' کائنات میں تفکر اور اللہ وحدہ لاشریک کی پرستش کو اپنے لئے اولاد کے لئے اور امت کے لئے منتخب کیا۔

تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''میں تجھے بنانے والا ہوں انسانوں کے لئے امام۔''

حضرت ابراہیمؑ نے اپنی اولاد کے لئے پوچھا تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

''تیری اولاد میں سے ظالم لوگ محروم ہو جائیں گے۔''

(سورہ بقرہ)

حال، مستقبل

ماضی، حال، مستقبل

ماضی قریب، ماضی بعید، حال

مستقبل، حال، ماضی

اتوار کے روز لندن سے جب رخصت ہوا، وہاں کا ٹمپریچر نقطہ انجماد سے دو ڈگری کم تھا۔

سنیچر کو فورسٹ گیٹ کے ایک بڑے ہال میں الوادعی تقریب تھی۔

ہال میں گرمی تھی اور باہر سردی۔ لوگوں کے لئے جتنی کرسیوں کا انتظام کیا گیا تھا وہ کم تھیں۔

مرد و خواتین کا ایک ہجوم تھا جو مجھ ناچیز کو دیکھنے سننے اور ملاقات کرنے کے لئے جمع ہو گیا تھا۔ اس وقت میرے جسم پر ایک سو ڈگری بخار کا

غلبہ تھا۔ میڈیکل اصطلاح میں فلو کے وائرس خون میں گردش کر رہے تھے۔

ایسے میں مجھے مہمانِ خصوصی کی حیثیت سے تقریر کرنا تھی۔

عظیمی بچوں، دختران، فرزندان نے اتنے زیادہ پھول نچھاور کئے کہ میز پر اونچا ڈھیر لگ گیا۔ وڈیو کیمرے سے تصویر لینے والوں نے احتجاج کیا اور پھول وہاں سے اٹھا لئے گئے۔

میں نے بخار سے سرگوشی کی۔ اے میرے دوست بے شک جسم اللہ کا ہے، تو بھی اللہ کی مخلوق ہے۔ تیرا حق میرے جسم پر زیادہ ہے مگر سامنے دیکھ کہ اللہ کی یہ مخلوق اس لئے جمع ہے کہ وہ کچھ سننا چاہتی ہے۔ کچھ سمجھنا چاہتی ہے.........

یا بدیع العجائب۔

بخار بھی شعور رکھتا ہے۔ میری درخواست پر بخار کا دل پسیج گیا، مسامات کھل گئے........

جسم پسینے سے شرابور ہو گیا۔ پیشانی پر ننھی ننھی بوندیں تیز مرکری روشنی میں موتیوں کی طرح چمکنے لگیں۔ تپش کی جگہ ٹھنڈک محسوس ہوئی۔ پہلے مرحلے پر سر سے قراقلی ٹوپی اتار دی دوسرے لمحہ لیدر جیکٹ کرسی کی پشت کی زینت بن گئی۔

ام الدماغ میں ایک جھماکہ ہوا......باریک ترین چاندی رنگ لہر آسمان سے انٹھی میں اتری اور ریڑھ کی ہڈی کو گزرگاہ بناتی ہوئی پیروں کے تلوؤں سے ارتھ ہو گئی۔

ہڈیوں کے پنجرے میں بند زبان گویا ہوئی۔

میرے بچو' دوستو' دوردراز شہروں سے آنے والے عزیزو۔ آج میں اور آپ اس ہال میں موجود ہیں۔ اس وقت ہال میں موجودگی کو ہم '' حال'' سے تعبیر کرتے ہیں۔ لیکن ابھی چند گھنٹوں کے بعد ہمارا یہ حال ماضی بن جائے گا۔

میں آپ کا دوست' آپ کا استاذ' آپ کا Spiritual Father آپ سے پوچھتا ہوں۔

میں اس وقت اڑسٹھ سال کا ہوں۔ یہ اڑسٹھ سال کہاں گئے؟ میں پیدانہیں ہوا تھا تو کہاں تھا...... غیب میں تھا۔ غیب کیا ہے؟ ماضی کے علاوہ ہم اسے کوئی نام نہیں دے سکتے۔ ولادت کے بعد پندرہ سیکنڈ بھی نہیں گزرے تھے کہ میں ماضی میں منتقل ہو گیا اور یہ پندرہ سیکنڈ پھیل کر اڑسٹھ سال کے دن' رات' گھنٹوں' منٹوں' سیکنڈوں اور لحات میں غائب ہو گئے۔ ہم زندگی میں جس وقت کو'' حال'' کہتے ہیں وہ حال ایک لمحہ کے لئے بھی اپنا وجود برقرار نہیں رکھتا۔ حال ماضی میں فنا ہو رہا ہے۔ ہم جسے مستقبل کہتے ہیں وہ حال کے بعد آنے والا لمحہ ہے لیکن حال ہو یا حال کے بعدآنے والالمحہ ہو.......ماضی کی آغوش اسے اپنے اندر سمیٹ رہی ہے۔

زندگی کیا ہے؟

زندگی خیال ہے.........خیال کہاں سے آتا ہے۔ جہاں سے بھی آتا ہے وہ ماضی کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

خواب سے اٹھ جایئے' آپ سحر زدہ قوم کے افراد نہیں ہیں' بتایئے...........!

کیا خیال آئے بغیر کوئی کام کرنا ممکن ہے؟..............

لاکھوں سال کی زندگی میں ایک حرکت بھی خیال یا انفارمیشن کے بغیر ممکن نہیں ہے آدم سے لے کر اب تک ہم خود اور آنے والی نسلیں کہیں موجود ہیں جہاں موجود ہیں وہ سورس آف انفارمیشن ہے۔ سورس آف انفارمیشن غیب ہے اورغیب ماضی ہے۔ ہم ماضی میں سے آتے ہیں اور ماضی میں منتقل ہونے والے لحات میں زندہ رہتے ہیں۔

ماضی سے جب خیالات یا انفارمیشن کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے تو ہمارا جسمانی نظام معدوم ہو جاتا ہے۔

کائناتی سسٹم

وہ کون ہے جو آسمان سے اور زمین سے تمہیں روزی پہنچا رہا ہے۔وہ کون ہے...... تمہارا سننا اور دیکھنا جس کے قبضے میں ہے۔وہ کون ہے جونکالتا ہے زندگی کو موت سے اور نکالتا ہے موت سے زندگی کو۔ پھر وہ کون سی ہستی ہے جو بیشمار زمینوں' آسمانوں' کہکشانی نظاموں اور کائناتی سسٹم کو نگرانی کے ساتھ چلا رہی ہے۔ یقیناً وہ اعتراف کریں گے کہ یہ ہستی اللہ ہے۔ اے پیغمبرﷺ تم ان سے کہو کہ جب تمہیں اس بات سے انکار نہیں پھر کیوں غفلت اور سرکشی سے نہیں بچتے؟ ہاں بے شک یہ اللہ ہی ہے جو تمہارا پروردگار ہے اور جب یہ حق ہے تو حق کے ظہور کے بعد اسے نہ ماننا گمراہی نہیں تو اور کیا ہے۔ تم کہاں جا رہے ہو؟

وہ کون ہے جس نے آسمانوں اور زمینوں کو پیدا کیا اور جس نے

آسمان سے پانی برسایا پھر اس سیرابی سے خوشنما باغ لگا دیئے۔ حالانکہ یہ بات تمہارے بس کی نہیں تھی کہ باغوں میں درخت لہلہاتے۔ کیا اللہ کے علاوہ دوسرا معبود بھی ہے؟ مگر یہ لوگ ہیں جن کا شیوہ حجت اور کج روی ہے۔

اچھا بتاؤ وہ کون ہے جس نے زمین کو زندگی کا مستقر بنا دیا۔ اس میں نہریں جاری کر دیں اور پہاڑ بلند کر دیئے۔ دو دریاؤں میں دیوار حائل کر دی۔ کیا اللہ کے ساتھ دوسرا بھی کوئی معبود ہے؟ مگر ان لوگوں میں اکثر ایسے ہیں جو نہیں جانتے۔

اچھا بتلاؤ وہ کون ہے جو بے قرار دلوں کی پکار سنتا ہے جب وہ ہر طرف سے مایوس ہو کر اسے پکارتے ہیں اور ان کا دکھ ٹال دیتا ہے۔اور اللہ نے تمہیں زمین کا جانشین بنایا۔ کیا اللہ کے سوا دوسرا بھی کوئی معبود ہے؟ بہت کم ایسا ہوتا ہے کہ تم نصیحت پکڑو۔

اچھا بتلاؤ وہ کون ہے جو صحراؤں اور سمندر کی تاریکیوں میں تمہاری رہنمائی کرتا ہے.....وہ کون ہے جو بارانِ رحمت سے پہلے خوشخبری دینے والی ہوائیں چلاتا ہے؟ کیا اللہ کے ساتھ دوسرا بھی کوئی معبود ہے......اللہ کی ذات اس شرک سے پاک ہے اور منزہ ہے کہ جو یہ لوگ اس کی معبودیت میں شریک ٹھہراتے ہیں۔

اچھا بتاؤ وہ کون ہے جو مخلوقات کی پیدائش شروع کرتا ہے پھر اسے دہراتا ہے؟ اور وہ کون ہے جو زمین اور آسمان سے تمہیں رزق دے رہا ہے...... کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود بھی ہے؟اے پیغمبر کہہ دیجئے اگر

تم سچے ہو تو اپنی دلیل پیش کرو۔

انسان اپنی غذا پر نظر ڈالے ۔ ہم پہلے زمین پر پانی برساتے ہیں پھر زمین کی سطح شق کر دیتے ہیں۔ پھر اس کی روئیدگی سے طرح طرح کی چیزیں پیدا کر دیتے ہیں ۔ اناج کے دانے انگور کی بیلیں کھجور کے خوشے سبزی ترکاری زیتون درخت کے جھنڈ قسم قسم کے میوے طرح طرح کا چارہ تمہارے فائدے کے لئے اور تمہاری جانوں کے لئے ہے۔

دیکھو چوپاؤں میں تمہارے لئے غور کرنے اور نتیجہ نکالنے کی کتنی عبرت ہے......ان کے جسم میں خون و کثافت سے دودھ پیدا کرتے ہیں جو پینے والوں کے لئے بہترین مشروب ہے...... کھجور انگور جس سے نشہ اور اچھی غذا دونوں طرح کی چیزیں حاصل کرتے ہیں۔ بلاشبہ اس بات میں باشعور لوگوں کے لئے بڑی نشانی ہے......اور تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کی طبیعت میں یہ بات ڈال دی ہے کہ پہاڑوں میں اور درختوں میں اور ان کی ٹہنیوں میں جو اس غرض سے بلند کی جاتی ہیں کہ اپنے لئے گھر بنائیں' پھر ہر طرح کے پھولوں سے رس چوسے...... پھر اپنے پروردگار کے ٹھہرائے ہوئے طریقوں سے کامل فرمانبرداری کے ساتھ گامزن ہو......اس کے جسم سے مختلف رنگوں کا رس نکلتا ہے جس میں انسان کے لئے شفاء ہے۔

بلاشبہ اس میں تم لوگوں کے لئے بڑی نشانیاں ہیں جو غور و فکر کرتے ہیں۔

کیا تم نے اس بات پر غور کیا کہ جو کچھ تم کاشت کاری کرتے ہو اسے تم اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اسے چورا چورا کر دیں

اور تم صرف یہ کہنے کے لئے رہ جاؤ کہ ہمیں تو اس نقصان کا تاوان ہی نہ دینا پڑے گا بلکہ ہم تو اپنی محنت کے سارے فائدوں سے محروم ہو گئے۔ یہ بات بھی تمہارے سامنے ہے کہ جو پانی تم پیتے ہو اسے کون برساتا ہے۔ تم برساتے ہو یا ہم برساتے ہیں۔ اگر ہم چاہیں تو اسے کڑوا کر دیں۔ کیا اس نعمت کے لئے ضروری نہیں کہ تم اللہ کا شکر ادا کرو۔ یہ بات بھی تمہارے سامنے ہے کہ جو آگ تم سلگاتے ہو اس کے لئے لکڑی تم نے پیدا کی ہے یا ہم کر رہے ہیں؟ اسے یادگار اور مسافروں کے لئے فائدہ بخش بنایا۔

دنیا کا کوئی انسان دنیا کی طرف سے اندھا ہو جائے لیکن اپنی غذا میں شامل پھلوں کی طرف سے وہ آنکھیں بند نہیں کر سکتا۔

آیئے تجربہ کریں:۔

کھلے ہاتھ ہتھیلی پر یہ ایک دانہ گندم ہے۔دانے کے بیچوں بیچ ایک خط ہے۔ یہ خط یا ہلکا سا شگاف اس طرف رہنمائی کرتا ہے کہ دو پرت آپس میں اس طرح جڑے ہوئے ہیں کہ آنکھ ان دونوں پرتوں کو ایک پرت دیکھتی ہے۔

اب ہم عام نگاہ سے ہٹ کر باطنی خوردبین نگاہ استعمال کرتے ہیں۔ گندم کا یہ حقیر سا دانہ ہمیں **Base Ball** کے برابر نظر آرہا ہے۔ اس میں بیشمار رنگین روشنیاں محوری گردش کر رہی ہیں۔ رنگین روشنیوں کو مختلف **Gases** حرکت دے رہی ہیں۔ **Gases** کیمیکل **changes** کی بنا پر ٹوٹ رہی ہیں اور بکھر رہی ہیں۔ کیمیکل **changes** کا عمل رطوبت و برودت پر ہو رہا ہے جس کی وجہ سے گندم کی شریانوں میں روئیدگی دوڑ رہی ہے۔ اس روئیدگی میں

مٹھاس بھی ہے، نمکیات بھی ہے اور زمینی عناصر بھی موجود ہیں۔ اس Base Ball جتنے بڑے گندم کے اردگرد ایک ہالہ ہے۔ ہالے کی چھ سمتوں میں آکسیجن ہے ہوا ہے خشکی ہے تری ہے اور بیشمار Gases ہیں۔ ان بیشمار Gases میں کوئی ایک Gas بھی بے رنگ نہیں ہے۔

اب ہم اس دانہ کو زمین کے پیٹ میں ڈالتے ہیں۔ زمین اس دانے کو اپنے بطن میں اس طور سمیٹ لیتی ہے جس طرح ماں شکم مادر میں بچے کے پہلے قطرے کو قبول کرتی ہے۔ زمین میں جتنے بھی عناصر ہیں وہ سب اس دانہ عناصر کو اپنی آغوش میں لے کر خود اس کے اندر سرائیت کر جاتے ہیں اور گندم کو اپنے اندر جذب کر لیتے ہیں۔ نتیجہ میں گندم کے اوپر پہلے سے موجود شگاف کھل جاتا ہے اور اس میں سے نہایت باریک موٹے بال کی طرح ایک تنا نمودار ہوتا ہے۔ جس کے اوپر گندم کے دونوں پرت لگے ہوتے ہیں یعنی عناصر نے گندم کو اپنے اندر جذب کرنے کے بعد زمین کے اوپر نشوونما پانے کے لئے دوبارہ لوٹا دیا ہے۔ اب یہ ننھا سا کومل معصوم تنا ہوا، آکسیجن، دھوپ اور چاندنی کے اشتراک عمل سے بتدریج نشوونما پاتا ہے اور درخت بن جاتا ہے۔ گندم کے ایک بیج میں سے دس شاخیں یا دس تنے یا دس بالیاں نکلتی ہیں۔

ایک صحت مند بالی میں چھیاسٹھ (۶۶) گندم کے دانے ہوتے ہیں۔ گندم کے ایک بیج سے ہمیں جو گندم حاصل ہوتی ہے اس کی تعداد چھ سو ستر (۶۷۰) ہے۔ اگر زمین اچھی ہو کھاد اچھی دی جائے تو ۸۰ یا ۹۰ دانے فی بالی نکلتے ہیں یعنی ایک دانہ گندم سے انسانی غذا کے لئے قدرت ۹۲۰ دانے فراہم کرتی

ہے۔

اگر زمین میں ایک من یا سوا من بیج بویا جائے تو انسانی غذا کے لئے چالیس سے پچاس من گندم حاصل ہوتی ہے۔ یہ حال ہماری اس غذا کا ہے جو دنیا میں دوسرے نمبر پر استعمال ہوتی ہے۔ ساری دنیا میں پہلے نمبر پر جو غذا کھائی جاتی ہے وہ چاول ہے۔

آیئے اب فروٹ کے اوپر غور وفکر کرتے ہیں۔ یہ ایک صحت مند اور خوبصورت بڑی نارنگی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ اس کی کوئی چیز بے رنگ نہیں۔ چھلکے کے اوپر کا حصہ خوش رنگ اور چمکدار نارنجی ہے۔ چھلکے کے اندر کا حصہ سفید ہے۔ چھلکے سے بنا ہوا غلاف کھول کر دیکھیں تو اندر ہمیں آپس میں جڑی ہوئیں کاشیں ملتی ہیں........ ہر کاش کے اوپر ایک پردہ ہے یہ پردہ بھی رنگین ہے۔ اسی پردے کے نیچے Tissues ایک دوسرے سے پیوست نظر آتے ہیں۔ یہ بھی رنگین ہیں۔ Tissues کے درمیان بیج ہے۔ یہ بیج بھی دو رنگوں سے مرکب ہے۔

کوتاہ عقل انسان کتنا بے شعور ہے کہ رنگین چیز کو ''نارنگ'' کہتا ہے۔

ایک صحت مند نارنگی میں نو یا دس پھانکیں ہوتی ہیں۔ ایک پھانک میں ۳۱۳ رس سے بھری ہوئی تھیلیاں ہوتی ہیں۔ جب ہم کینو یا سنگترہ یا نارنگی سے شوق فرماتے ہیں تو دراصل ۳۱۳ رس کی بھری ہوئی تھیلیوں کا رس پیتے ہیں۔

''اچھا بتاؤ وہ کون ہے جو مخلوقات کی پیدائش شروع کرتا ہے اور پھر اسے دہراتا ہے اور وہ کون ہے جو زمین اور آسمان سے تمہیں رزق عطا کرتا

ہے کیا اللہ کے ساتھ کوئی دوسرا معبود بھی ہے۔ اے پیغمبر ﷺ ان سے کہہ دیجئے کہ اگر تم سچے ہو اور عقل و بصیرت کی اس شہادت کے خلاف تمہارے پاس کوئی دلیل ہے تو اپنی دلیل پیش کرو۔"

بجلی آ گئی

ہر انسان ہر وقت کچھ نہ کچھ سوچتا ہے یعنی خیالات کی لہریں ہر وقت آدمی کے دماغ پر سے گزرتی رہتی ہیں۔ یہ لہریں ایک طرف انفرادی زندگی کو انسپائر کرتی ہیں اور ساتھ ساتھ ان لہروں کے اوپر کائنات میں موجود نوعی اشتراک کا عمل دخل بھی ہے۔ ان لہروں سے یہ بھی علم ہوتا ہے کہ کائنات اور اس کے اندر تمام مظاہرات ہر آن ہر لحہ ایک دائرے میں سفر کرتے ہیں۔ دائرے میں سفر بجائے خود اس بات کی شہادت ہے کہ ہر مظہر ایک دوسرے سے آشنا اور متعارف ہے۔ تعارف کا یہ سلسلہ لہروں کے اوپر قائم ہے اور لہروں کو خیالات کا نام دیا جاتا ہے۔ یہ ساری کائنات دراصل لہروں کے تبادلے کے اوپر قائم ہے۔ کائناتی نظام اس سسٹم کے اوپر چل رہا ہے کہ لہر ہر وجود میں سے گزرتی رہے۔ وجود میں کسی مخصوص پرت یا کسی مخصوص نوع کی

قید نہیں ہے۔ آج کے دور میں ٹی وی، وی سی آر، ریڈیو، فریج اور انٹینا اس کی روشن شہادت ہیں۔

زیادہ آسان لفظوں میں یوں کہا جا سکتا ہے کہ کائنات میں موجود ہر وجود میں ایک انٹینا ہے۔ یہ انٹینا ہر دوسرے وجود کی لہر کو قبول بھی کرتا ہے اور اپنی لہروں کو دوسرے وجود کے انٹینا میں منتقل بھی کرتا ہے۔ جب تک وجود میں موجود نصب شدہ انٹینا میں وصول کرنے اور منتقل کرنے کا عمل جاری نہ ہو کائنات کا کوئی ایک فرد نہ بول سکتا ہے اور نہ سن سکتا ہے، لہروں کی ایک وجود سے دوسرے وجود میں منتقلی کو سائنس نے توانائی کا نام دیا ہے۔

سائنس کا کہنا ہے۔

"مادہ مختلف ڈائیوں میں منتقل ہو کر توانائی بن جاتا ہے۔"

دوپہر کا وقت تھا۔ دھوپ کی تمازت سے جسم جھلس رہے تھے۔ ہوا بند تھی حبس کا عالم تھا۔ بجلی لوڈشیڈنگ کے نام پر محو استراحت تھی۔ نمی (Humidity) کی وجہ سے سبک خرام ہوا اتنی بوجھل تھی کہ درخت کے پتے بھی ساکت و جامد تھے۔ حبس کے اس عالم میں جسم دانوں سے بھر گیا تھا۔ لگتا تھا کہ مسامات میں مرچیں بھر گئیں ہیں...... نہایت اضطراب کی کیفیت تھی۔ دماغ ماؤف تھا۔ خیال آیا کہ جب زمین پر ان گرم لہروں نے ہر وجود کو بے قرار کر دیا ہے تو دوزخ میں کیا حشر ہوگا۔ پھر خیال آیا کہ دوزخی مخلوق کے لئے گرمی کی یہ تمازت تاب لہریں دراصل دوزخ میں رہنے کی پریکٹس ہے۔ ابھی دوزخ کا نقشہ اور بھڑکتی آگ کا عکس آنکھوں کے سامنے آیا ہی تھا کہ

بارہ کھرب خلیوں میں سے ایک خلیہ میں جھماکہ ہوا۔ پتہ نہیں اس جھماکہ میں کیا تاثیر تھی کہ دماغ میں ایک دروازہ کھلا۔ دروازے کے اندر سے جو لہریں دماغ پر منتقل ہوئیں ان لہروں کا مفہوم یہ تھا۔

"اللہ تعالیٰ کسی بندے کو اس کی سکت اور اس کی برداشت سے زیادہ تکلیف نہیں دیتا۔"

پاس بیٹھے ہوئے میرے بیٹے حکیم نور عجم نے سوال کیا جیسے ہی سوال کیا بجلی آگئی۔ پنکھا چل پڑا دماغ کو آرام ملا۔

سوال یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ساری کائنات کو محبت کے ساتھ تخلیق کیا اور ساری کائنات "کن" کہنے سے وجود میں آئی مطلب یہ ہے کہ مختلف صلاحیتوں کے لئے الگ الگ کن نہیں کہا گیا۔ جب ایک "کن" سے پوری کائنات وجود میں آئی تو صلاحیتیں بھی سب میں مساوی تقسیم ہوئیں لیکن ہمارا تجربہ ہے کہ ہر آدمی میں صلاحیتیں مختلف ہیں اور جب ہر آدمی میں صلاحیتیں مختلف ہوتی ہیں تو مساوات کا قانون زیر بحث آ جاتا ہے۔ شاید یہی وجہ ہے کہ افلاطون نے کہا کہ قدرت آزاد اور غلام الگ الگ پیدا کرتی ہے اس نظریہ کی مخالفت میں سقراط کو زہر کا پیالہ پینا پڑا۔ بیٹے کے سوال کی گہرائی پر جب میں نے تفکر کیا تو اسکرین پر بجلی کی فلم چلتی نظر آئی۔

سمندر میں اٹھتی لہریں نظر آئیں۔ لہروں کے ٹکرانے کے عمل سے ہی بخارات بنے ہوا نے انہیں اوپر اچھالا تو بادل بن گئے بادلوں کو پھر ہوا نے دھکیلا۔ کارواں در کارواں اڑتے ہوئے شمال میں جا برسے۔ اونچی اونچی

پہاڑیوں کہکساروں پر برف جمی.........سورج نکلا.......سورج کی لہروں کی توانائی جب برف میں منتقل ہوئی تو برف پانی بن گیا۔ پانی فراز سے نشیب میں اترا' دریا بن گئے۔ دریاؤں کو روک کر ڈیم بنے ڈیم میں سرنگیں بنی سرنگ کے ذریعے ٹربائن چلے اور بجلی کی ولادت واقع ہوئی۔ گرڈ اسٹیشن تک بجلی کی لہروں کی رسائی ہوئی.......وہاں سے ہائی ٹینشن تار میں ان لہروں کو منتقل کیا گیا اور پھر سب پاور اسٹیشن بنے اور پھر وہاں سے گھروں کے سامنے کھمبے لگا کر گھر گھر بجلی کی لہریں منتقل کرنے کا اہتمام کیا گیا۔

میں نے اپنے بیٹے نور عجم سے کہا۔

چھت پر دیکھو! کیا نظر آتا ہے۔

اس نے بتایا کہ پنکھا چل رہا ہے۔

میں نے اس سے پوچھا 'ٹیوب لائٹ کیوں نہیں جل رہی ہے۔'

وہ بولا ! سوئچ آف ہے۔

بیٹے کے باپ نے وضاحت کی۔

بیٹا!

تمہارے گھر میں تھری فیز بجلی یا توانائی ہے اور یہ توانائی تاروں کے ذریعے مسلسل تاروں میں دوڑ رہی ہے۔ ان تاروں سے اگر تم چاہو تو دس پندرہ قمقمے اوپر نیچے منزل میں دو فریج، دو ٹی وی، دو وی سی آر، دو اے سی چلا سکتے ہو اور اگر تم نہیں چاہتے تو صرف پورے گھر میں پندرہ واٹ کا بلب ہی روشن کر سکتے ہو۔ تاروں کے اندر دوڑتی ہوئی توانائی تمہاری خدمت گزار

ہے۔ اب یہ تمہارا کام ہے کہ تم اس توانائی سے کتنا کام لیتے ہو اور موجود توانائی کو کس حد تک نظرانداز کر دیتے ہو۔ یہ جو اللہ تعالیٰ نے خدمت گزاری کے بے شمار شعبے بنائے ہیں یہ دراصل توانائی کی تقسیم ہے۔

ایک آدمی دھوپ میں بیٹھ کر جوتے گانٹھتا ہے۔ اس کا نام موچی ہے۔ دوسرا آدمی گھر میں بیٹھ کر جوتے سیتا ہے اس کا نام بھی موچی ہے۔ تیسرا جوتے کا کارخانہ کھول کر اس کا نام باٹا رکھ دیتا ہے اس کا نام بھی موچی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ کس آدمی نے توانائی کو کتنا استعمال کیا۔ جس طرح بجلی تمہیں ہزار بلب روشن کرنے سے نہیں روکتی اسی طرح تمہارے اندر ہزاروں لاکھوں توانائیاں اپنے استعمال سے منع نہیں کرتیں یہی مساوات ہے۔

اس قانون کو تم موچی بڑھئی لوہار انجینیئر فنکار تاجر اور سائنس کے تمام شعبوں پر قیاس کر سکتے ہو۔ قدرت نے کبھی کسی کو منع نہیں کیا کہ وہ اس کی دی ہوئی علمی صلاحیتوں سے استفادہ کر کے سائنسدان نہ بنے۔ قدرت نے صلاحیتوں کے استعمال کے لئے میٹریل تخلیق کیا ہے۔ بلاتخصیص ہر ملک ہر قوم اور ہر فرد کے لئے یہ میٹریل مفت فراہم ہوتا ہے۔ سائنسدان ایٹم بم بناتا ہے اس ایٹم بم میں کام آنے والی تمام اشیاء بھی قدرت کی پیدا کردہ ہیں۔ مثلاً زمین یورینیم الیکٹرسٹی اور وہ میٹریل جس سے بھٹیاں بنتی ہیں۔ اربوں، کھربوں سال کی تاریخ شاہد ہے کہ وسائل کا کوئی پیسہ ٹکا آدم زاد نے اللہ کو نہیں دیا۔ تعمیری شعبوں پر نظر ڈالو، زمین فری زمین کے اندر جو بیج ڈالا جاتا ہے وہ فری۔ بیج کروڑوں سال پہلے جب بھی پیدا ہوا اس کی کوئی حد

قیمت نہیں لی گئی۔ ہوا فری دھوپ فری چاندنی فری آکسیجن فری بارش فری حد یہ کہ جسم انسانی میں خون کو شریانوں اور وریدوں میں دوڑانے کی توانائی فری۔

پانچ ارب آبادی میں ایک فرد واحد اس بات کا دعویٰ نہیں کرسکتا کہ جسم انسانی میں کام کرنے والی انرجی کی اس نے کبھی کوئی قیمت ادا کی ہو۔

دنیا میں بیشمار صلاحیتیں دراصل توانائیاں ہیں۔ بجلی کی مثال سامنے رکھ کر یہ سمجھ لو کہ جتنی توانائی کوئی بندہ استعمال کرنا چاہتا ہے توانائی اس کی خدمت گزاری سے کبھی انکار نہیں کرتی۔

کہکشاں

یہ اس وقت کی بات ہے جب زمین پر آدم کا وجود نہیں تھا۔ زمین اپنے حدود اربعہ میں موجود تھی۔ زمین کی ساخت ایسی تھی کہ اس کی تقسیم در تقسیم یکساں تھی۔ وسعت بیکراں پر پھیلی ہوئی زمین طبقات پر مشتمل تھی۔ طبق در طبق زمین اس طرح پھیلی ہوئی تھی کہ زمین کے ہر حصے پر ایک ہی زمین کا گمان ہوتا تھا۔ ہر جگہ سطح زمین کے ساتھ ساتھ ندی .... پہاڑ، آبشار اور برف پوش پہاڑیاں تھیں۔ زمین کی شمالی اور جنوبی ہیئت ایک جیسی تھی۔ ہر خطے کے شمال میں پہاڑ، بادل، جھیلیں، چشمے اور ٹھنڈ کا سماں تھا۔ اس کے برعکس جنوب میں جس کے کنارے مشرق و مغرب سے ملتے تھے کھلے میدان، کھیت کھلیان اور باغات زمین کی رونق بنے ہوئے تھے۔ اگر اس صورتحال کو ماضی کے پیمانے سے ناپا جائے اور محدود شعور میں رہتے ہوئے وقت کا تعین کیا

جائے تو یہ وقت لاکھوں سال اور کروڑوں سال پر محیط کہا جاتا ہے۔ لاکھوں، کروڑوں سالوں سے زمین اپنی آغوش پھیلائے ہوئے انسانوں کے لئے وقف ہے۔ سطح زمین پر مرفوع آسمان کی روشن قندیلیں، کہکشانی جھرمٹیں بھی زمین کو زینت بخشنے میں اپنا کردار پورا کررہی ہیں۔ زمین رنگ برنگ پھولوں سے اپنا سنگھار کرکے نوع انسانی کیلئے دلہن بنی ہوئی ہے اور یہ عمل لاکھوں کروڑوں سال سے جاری ہے اور نہیں معلوم کس وقت تک جاری رہے گا۔

کہا جاتا ہے کہ انتظار موت سے زیادہ سخت ہے۔ انتظار میں وقت کی نبض ڈوب کر دوبارہ ابھرتی ہے۔ انتظار ایک ایسی کیفیت ہے جس کیفیت میں کوئی بھی بندہ پہلے ناخوش ہوتا ہے پھر بیزار ہوتا ہے اور اس کے بعد مایوسی کی انتہا کو پہنچ جاتا ہے۔ جب زمین اس کیفیت میں داخل ہوئی تو زمین کو پیدا کرنے والی ہستی کو رحم آیا۔ مایوس اور بے حال زمین کو مایوسی کے عمیق غاروں سے نکالنے کے لئے زمین کے مالک نے زمین کے محبوب آدم کو زمین پر بھیج دیا۔ یہ بھیجنا اس طرح عمل میں آیا کہ زمین کی کوکھ کھلی اور کوکھ میں سے معصوم اور کومل بچہ وجود میں آگیا۔

جیسے بارش کے چھینٹے پڑنے سے زمین پر پھیلی ہوئی چکنی مٹی پھٹ جاتی ہے اور زمین کی نظر نہ آنے والی دراڑوں میں سے بیربہوٹی جنم لیتی ہے۔

جیسے بارش کی چھینٹیں زمین پر پڑنے سے ایک مخصوص گیس فضا میں اڑتی ہے اور اس مخصوص گیس سے بارش کے قطرے ہم جان ہوتے ہیں تو

فضا سے مینڈک کے چھوٹے چھوٹے بچے زمین پر برستے ہیں۔

جیسے پودے کے پتوں پر بارش برستی ہے تو پتوں میں موجود رگیں ٹڈے کی شکل اختیار کرلیتی ہیں اور ٹڈا اس پتے کا ہم شکل ہوکر ہوا میں اڑتا پھرتا ہے۔

قانون یہ ہے کہ جب جان سے جان ملتی ہے تو تیسری جان خدوخال بن جاتی ہے۔

آدم کی جان جب زمین کی جان سے ملی تو تیسری جان آدم کا شعور تخلیق ہوا اور اس شعور نے آدم کو اسپیس (Space) میں رہنے پر مجبور کردیا۔ آدم کی مجبوری اپنی جگہ لیکن زمین نے آدم کی خدمت گزاری میں کمی نہیں کی اور آدم کے لئے خوردونوش کا انتظام کیا۔ آدم کے لئے روٹی اور اون کی شکل میں لباس فراہم کیا۔ آدم کے لئے اپنا دامن پھیلا کر دھوپ سمیٹی........ آدم کے لئے سر پر سیاہ پلو لے کر ٹھنڈی میٹھی مسرور و مخمور شاعرانہ تخیل کے ساتھ چاند کی چاندنی کو اپنے اوپر پھیلا لیا۔ اپنے اوپر سایہ دار درختوں کو پہرے دار بنایا۔ نرم و نازک اور دبیز گھاس کو قالین بنا کر اپنے اوپر بچھا دیا۔ انسان کی ساری گندگی اور غلاظت کو زندگی میں بھی چھپایا اور مرنے کے بعد بھی انسان کو بے حرمت نہیں ہونے دیا۔

دیکھنا یہ ہے کہ انسان نے اپنی محسن زمین کے احسانات کا کیا بدلہ چکایا........؟

پانچ ہزار سال کی تاریخ سے زیادہ انسان کچھ نہیں جانتا اور پانچ ہزار

سال کی تاریخ میں بھی ۸۰ سے ۹۰ فیصد قیاس آرائی شامل ہے۔ بہرحال انسان کی خودنوشت تاریخ پر اگر غور کیا جائے تو ظلم و بربریت اور جبر و تشدد کے علاوہ انسان نے زمین کو اور کچھ نہیں دیا۔ جس طرح ایک اچھا ڈاکٹر آپریشن کرکے وہ اعضاء نکال دیتا ہے جو پورے جسم کو ناکارہ کردیتے ہیں زمین نے بھی انسانی قیاس کے مطابق سترہ اٹھارہ مرتبہ انسان کے مفلوج اور زہریلے جسم کو نابود کرکے اپنے اندر محفوظ کرلیا اور پھر ماں کی مامتا کے ساتھ زمین نے انسانوں کی پرورش شروع کردی۔ یہ سلسلہ جاری ہے، جاری رہے گا۔ کب تک جاری رہے گا یہ بات زمین بھی نہیں جانتی۔

زمین ہم سب کی ماں ہے۔ یہ ماں ہماری ہرضرورت کی کفالت کرتی ہے۔ یہ ماں ہماری تربیت کرکے ہمیں شعور بخشتی ہے۔

زمین نے آدم کو آگ کے استعمال کا شعور بخشا۔ پھر اس شعور میں اچھائی اور برائی کا تصور منتقل کیا۔ اچھائی اور برائی کے تصور کو قائم رکھنے کے لئے وسائل استعمال کئے۔ مثلاً اگر شعور میں یہ بات راسخ ہوگئی کہ ستر پوشی ضروری ہے تو زمین نے ستر پوشی کے لئے کپڑا بنانے کی چیزیں مہیا کیں۔

شعور میں ارتقا ہوا کہ علم کی افادیت ہے اور علم کی بنیاد پر ہی آدم زاد حیوانات سے ممتاز ہوسکتا ہے تو زمین نے اپنے اندر مخفی صلاحیتوں کو اس طرح ظاہر کردیا کہ آدم زاد علم سیکھ سکے۔

انسان اور زمین کے رشتے پر غور کیا جائے تو اس بات سے چھ ارب آدمیوں میں سے ایک آدمی بھی انکار نہیں کرسکتا کہ زمین نے ہر ہر قدم پر آدم

زاد انسان کی مدد کی ہے۔ زمین آج بھی یہ چاہتی ہے کہ زمین پر بسنے والی اس کی اولادوں میں سے ایک ممتاز اولاد آدم خوش رہے۔ خوشی دینے کے لئے زمین انسان سے کوئی قیمت طلب نہیں کرتی۔ انسان بھی دوسروں سے توقع قائم کرنے کی بجائے زمین کی طرح دوسروں کی مفت خدمت کو اپنا شعار بنالے تو انسانی زندگی مسرت و شادمانی، خوشی و سکون، راحت و آرام اور مخمور زندگی کا گہوارا بن جائے گی۔

حضور قلندر بابا اولیاءؒ فرماتے ہیں کہ۔

''شمع جب اپنے وجود میں دوڑنے والی انرجی کو دوسروں کے لئے جلاتی ہے تو دوسروں کو روشنی کا انعکاس ملتا ہے......اندھیرا چھٹ جاتا ہے۔ ماحول روشن و منور ہوجاتا ہے۔ آدمی کا چہرہ ایک دوسرے کا آئینہ بن جاتا ہے''۔

اس کے برعکس اگر انسان کے اندر شمع کا ایثار موجود نہیں ہوتا اور شمع خود کو پگھلا کر اپنی توقعات منقطع نہیں کرتی تو اندھیرا...... گھپ اندھیرا بن جاتا ہے۔ تاریکی چھا جاتی ہے۔ راستہ نہیں ملتا۔ مسافر بھٹکتا رہتا ہے، بھٹکتا رہتا ہے......اور بالآخر مرجاتا ہے۔

سورج کی آنکھیں

یہ کون نہیں جانتا کہ آدم برادری کا ہر فرد روح اور جسم کا مجموعہ ہے۔

جسم اور جسمانی توانائی، زندگی اور حرکت کا تعلق مادیت سے ہے۔ جسم کی غذا بھی مادی ہے۔ آدم زاد کے اندر تین حصے پانی ہر وقت جسم کی کارکردگی کو بحال رکھتا ہے۔ شریانوں وریدوں میں خون دور کرتا رہتا ہے۔ پھیپھڑوں کا پھیلنا اور سکڑنا بھی ہوا اور آکسیجن کے اوپر قائم ہے۔ جس زمین پر آدم رہتا ہے چلتا پھرتا ہے مکروفریب کی دنیا بساتا ہے کبرونخوت سے اس کی گردن اونٹ کا کوہان بنی رہتی ہے۔ جس دھرتی کی کوک سے وسائل پیدا ہوتے ہیں اور جو دھرتی آدم زاد کو اس کی تمام تر رعونت اور تعفن کے ساتھ اپنے اندر سمیٹ لیتی ہے وہ بھی مادیت کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔

اس کے برعکس روح جو لطیف ہے پاکیزہ ہے طاہرہ ہے اور منزہ ہے

عالم قدس ہے ہم رشتہ ہے اس کی غذا نور اور روشنی ہے۔ تجلی براہ راست اسے فیڈ کرتی ہے۔ روح کی توانائی روح کی زندگی روح کی حرکت روح کا حسن اللہ کی محبت اور قربت ہے۔

جس طرح جسم مادی غذا نہ ہونے سے کمزور و ناتواں اور ناکارہ ہوجاتا ہے اسی طرح اگر روح کو قرب الٰہی حاصل نہ ہو تو وہ بھی ضعیف و ناتواں ہوجاتی ہے۔ بے چین و بے قرار رہتی ہے۔

کبھی آپ نے سمندر میں سے اٹھتی ہوئی موجوں کو دیکھا ہے؟ یہ موجیں سمندر میں سے ٹھیک ساحل پر جبین ریز ہوتی ہیں۔ آپ نے کبھی سوچا ہے کہ موجوں اور لہروں کی بے قراری بے تابی تڑپ اور کروٹ کروٹ طغیانی کا راز کیا ہے؟

موج جب اپنی اصل، سمندر سے دور ہوتی ہے تو اس کے اوپر دوری کا احساس غالب آجاتا ہے۔ وہ بار بار ساحل سے اس لئے سر ٹکراتی ہے کہ اسے فراق کی گھڑیاں قیامت لگتی ہیں۔ سمندر اپنا ایک تشخص رکھتا ہے۔ جوش و جلال اور عظمت سے جب وہ اپنی حیثیت کا مظاہرہ کرتا ہے تو آسمانوں کے کناروں کو چھوتی ہوئی لہریں اس کے باطن سے باہر آجاتی ہیں اور ساحل پر اپنی پیشانی رکھ دیتی ہیں۔ عظمت و جرات کا مظاہرہ انہیں اس بات پر مجبور کردیتا ہے کہ وہ فرش پر سجدہ میں گر جائیں۔ لہریں جیسے ہی فرش پر جبین نیاز رکھتی ہیں سمندر اسے اپنی آغوش میں ایسے سمیٹ لیتا ہے کہ لہر اور سمندر ایک ہوجاتے ہیں۔ سمندر میں مدوجزر جوار بھاٹا لہروں کا تلاطم سمندر کے تشخص

میں ٹوٹ پھوٹ کا عمل بن جاتا ہے۔

پانی جب ذرہ ذرہ ہو کر لطیف ہو جاتا ہے تو ہوا اسے اپنے کاندھوں پر سے خلا میں اچھال دیتی ہے۔ خلا جب لطافت سے مامور ہو جاتا ہے اور اسے سکون کا ایک ابدی لمحہ میسر آجاتا ہے تو یہ ساری لطافت یہ سارا ترشح، یہ ساری نمی بادل کے روپ میں خود کو منتقل کر دیتی ہے۔ بادل کے بڑے بڑے مشکیزے قافلہ در قافلہ کارواں در کارواں اڑتے ہوئے شمال سے جنوب اور جنوب سے شمال مشرق سے مغرب اور مغرب سے مشرق میں محو سفر ہو جاتے ہیں۔ جہاں ان کا قیام ہوتا ہے وہاں حرکت منجمد ہو جاتی ہے اور جمود اپنے وجود کو ٹھہرا ہوا دیکھتا ہے تو وہ سورج سے معاونت چاہتا ہے۔ سورج جب بلند و بالا پہاڑوں کی چوٹیوں پر بکھری ہوئی چاندنی کو گہری آنکھوں سے دیکھتا ہے تو سورج کی آنکھوں سے نکلنے والی شعاعیں اس وجود کو ریزہ ریزہ کر دیتی ہیں۔ یہ ریزہ ریزہ جمود سیال بن کر اعلیٰ سے نشیب کی طرف چشموں آبشاروں ندی نالوں میں سے سیل بے کراں کی طرح رواں دواں ہو جاتا ہے اور اپنی اصل سمندر سے جا ملتا ہے..... یہ سب کیوں ہوتا ہے؟ اس لئے کہ سمندر میں سے نکلا ہوا پانی کا ایک ایک قطرہ آب اصل سے اپنا رشتہ قائم رکھنا چاہتا ہے۔

کسی بھی درخت کا بیج پسند نہیں کرتا کہ وہ فنا ہو جائے۔ اس طرح فنا ہو جائے کہ موت اس کے مستقبل کو کھا جائے۔ ہر بیج اپنے اندر تناور درخت کی حفاظت کرتا ہے۔ خود فنا کا لباس زیب تن کر کے درخت کے وجود کو قائم رکھتا ہے۔ یہ کیوں ہو رہا ہے؟........ اس لئے کہ بیج اپنی اصل سے رشتہ مستحکم

رکھنا چاہتا ہے........

حرکت ہمہ وقت حرکت ہے۔ یہ حرکت پہاڑوں کو بڑے بڑے ٹکڑوں میں، پہاڑوں کے بڑے بڑے تودوں کو چھوٹے چھوٹے پتھروں میں، چھوٹے پتھروں کو کرش میں اور کرش کو بجری میں، بجری کو ریت میں کیوں تبدیل کرتی رہتی ہے؟ اس لئے کہ پہاڑوں کوہساروں اور ریت کے ذرات میں قدر مشترک ختم نہ ہو جائے۔

آدم زاد نے جب روح سے اپنا رشتہ توڑ لیا اور روحانی طریقت کو نظر انداز کر دیا۔ سیم و زر کی فراوانی اور عیش و عشرت کو سب کچھ جان لیا تو...... روح کی بے قراری میں اضافہ اس لئے ہو گیا کہ روح جانتی ہے کہ صرف مادیت کا عروج روح کی غذا کو زہریلا اور مسموم بنا دیتا ہے۔ جیسے ہی روح سے آدم زاد کا رشتہ کمزور ہوتا ہے وہ قرب الٰہی اور خالق اکبر کی محبت سے دور ہوتا رہتا ہے۔ دنیا میں جنگ و جدال خون ریزی نفرت و حقارت اور بھیانک موت کی تاریکی اس لئے پھیل گئی ہے کہ آدم برادری کی روح بے قرار اور بے چین ہے۔ اسے سکون اس لئے نہیں ہے کہ اشرف المخلوقات آدم درندہ بن گیا ہے۔ زر و جواہر کو اہمیت دیتا ہے لیکن جس نے زر و جواہر کے ذخائر آدم کو منتقل کر دیئے ہیں اور برابر منتقل ہو رہے ہیں اس سے صرف لفظی تعلق ہے۔

اعداد و شمار بتاتے ہیں کہ ان ممالک میں جہاں دولت کی فراوانی ہے آسائش و آرام کی اتنی سہولت ہے کہ لوگ سوچتے ہیں کہ اب ہم کس زاویہ

سے آسائش حاصل کریں......وہاں ہر شہر کے ہر اسپتال میں آدھی سے زیادہ آبادی دماغی مریض ہے۔ اسپتالوں میں نصف سے زیادہ بستر دماغی امراض کے مریضوں کے لئے مخصوص ہیں۔ خودکشی کے واقعات بھی ان ملکوں میں بہت زیادہ ہیں۔ وہاں کا کروڑ پتی تاجر سب کچھ خرید سکتا ہے لیکن سکون میسر نہیں ہے۔ اس کے اندر ایک ختم نہ ہونے والی بے چینی اسے کسی کل چین نہیں لینے دیتی......وہ دبیز قالینوں پر فانوسوں کے نیچے ٹہلتا ہے اور سوچتا ہے کہ میرے پاس سب کچھ ہے لیکن میں بے چین اور پریشان کیوں ہوں؟

دولت کے پجاری کو کون بتائے کہ وہ اس لئے بے کل اور پریشان ہے کہ اس کے اندر ایک ایسی ہستی ہے جس نے اس کے وجود کو سہارا دیا ہوا ہے۔ جس نے اسے زندہ رکھا ہوا ہے......وہ بھی بے چین ہے۔ وہ ہستی کون ہے؟ وہ ہستی روح ہے۔ اور روح کی غذا اللہ کی محبت ہے۔ جب تک روح کو غذا میسر نہیں آئے گی آدم زاد سب کچھ ہوتے ہوئے بھی بے چین رہے گا۔

آج کا مسلمان جو ایمان سے خالی دامن ہے جس کے قول وفعل میں تضاد ہے جو جھوٹ کو سچ اور سراب کو حقیقت سمجھ بیٹھا ہے جس کے اندر منافقت بغض کینہ تعصب نفرت اور درندگی نے بسیرا کرلیا ہے جو گریباں چاک افسردہ چہرہ تصنع بناوٹ اور گدلی آنکھوں والی تصویر بن گیا ہے کہتا ہے مجھے سکون نہیں ہے۔ قرار نہیں ہے۔ کوئی بتائے کہ میں اس بے چینی کا کیا تدارک کروں؟

اے میرے بھائی مسلمان......تو کیوں نہیں سوچتا کہ تو اس لئے بے چین ہے کہ منافقت اور مکر تیری زندگی میں داخل ہوگیا ہے۔ جیسے جیسے تو مکر وفریب سے قریب ہو رہا ہے تیری روح اپنی غذا......اللہ کی محبت اور قربت سے دور ہو رہی ہے۔

اے مسلمان بھائی!

تو اپنی منافقت پر سے پردہ اٹھا......تجھے تیرا چہرہ بھیانک نظر آئے گا......اللہ کہتا ہے، سود لینے اور سود دینے والے۔ سودی معیشت میں زندگی گزارنے والے اللہ کے کھلے دشمن ہیں۔

اے مسلمان بھائی!

تو یہ کیوں نہیں سوچتا ہے کہ

جس کو اللہ اپنا دشمن کہہ رہا ہے اس کی نمازیں اس کا حج کیسے قبول ہوگا....تو کیوں اللہ کا دوست نہیں بن جاتا۔ کیا تجھے اس وقت روزی نہیں ملی جب تو ماں کے پیٹ میں تھا؟ کیا تو اس وقت بھوک سے مرگیا تھا......جب کچھ بھی نہیں کرسکتا تھا۔ اٹھتے بیٹھتے سوتے جاگتے تو سانس لیتا ہے۔ کیا اس میں تیرا کوئی دخل ہے؟ زمین کو اللہ نے تیرے لئے دسترخوان بنا دیا ہے......اگر اللہ چاہے تو کیا تو زمین کو اپنی خدمت پر مجبور کرسکتا ہے؟ ہوا تیری خدمت گزاری سے انکار کردے تیرے پاس کون سی طاقت ہے کہ تو ہوا کو مجبور کردے کہ وہ تیرے پھیپھڑوں کو بھر دے؟ کیا سورج کو تو مجبور کرسکتا ہے کہ وہ تجھے روشنی فراہم کرتا رہے؟

ہمارا ماحول زہر آلود ہوگا تو ہم کیوں بیمار نہیں ہوں گے۔ جب روح کی غذا اللہ کی محبت...... اور اس کی مخلوق سے محبت ہمارے اندر نہیں ہوگی تو ہم کیسے خوش رہ سکتے ہیں؟

خوش نہیں ہوں گے تو سکون کہاں سے ملے گا۔ سکون نہیں ملے گا تو کیسے ممکن ہے آدم زاد دوزخ کا ایندھن نہ بنے........ دوزخ کے ایندھن کا مصرف جلنے اور کوئلہ بن جانے کے علاوہ کیا ہوسکتا ہے؟........

قوس قزح

زمین پر تین مخلوق آباد ہیں۔ دو مکلّف اور ایک غیر مکلّف۔ مراقبہ میں دیکھا کہ تینوں مخلوق ایک کھلی جگہ جس کا نہ تو کوئی سرا ہے اور نہ ہی کوئی حد ہے، جمع ہیں۔ تینوں کے خدوخال ایک جیسے ہیں تینوں نے لباس زیب تن کیا ہوا ہے۔ ناک نقشہ ایک جیسا ہے لیکن نقوش میں نمایاں فرق ہے۔

ایک مخلوق کی آنکھ مخروطی ہے ناک چپٹی اور کھڑی ہے چہرہ کتابی یا گول ہے۔

دوسری مخلوق کی آنکھیں بادام کی طرح ہیں۔ پتلی میں گہرے رنگ کے ڈورے ہیں۔ ستواں ناک کی نوک غائب ہے چہرہ بیضوی اور سر کشکول کی طرح ہے۔

تیسری مخلوق کی آنکھ سانپ کی چھتری کی طرح گول ہے۔ ناک

گلدستہ چہرہ نصف النہار سورج کی طرح۔ سر میں پیشانی سانپ کے سر کے مشابہ ہے۔

ایک مخلوق قد میں بارہ سے سولہ فٹ دراز یا اس سے بھی زیادہ..............

دوسری مخلوق عنفوان شباب جوانوں کی طرح' متوازن قد..........

تیسری مخلوق پانچ سے چھ فٹ کوتاہ یا دراز' جسم روشنیوں کا مرقع.............

ایک مخلوق کے جسم میں ڈبل برقی رو دوڑتی ہے..........

دوسری مخلوق میں اکہری برقی رو دوڑتی ہے.............

تیسری مخلوق میں ایسی روشنی ہے جسے روشنی نہیں کہا جا سکتا۔

ایک مخلوق کے حواس محدود..........

دوسری مخلوق کے حواس محدودیت میں لامحدود...........

تیسری مخلوق کے حواس لامحدود............

ایک مخلوق کے دماغ میں دس ارب خلیئے چارج ہیں۔

دوسری مخلوق کے دماغ میں نوے ارب خلیئے کام کرتے ہیں۔

تیسری مخلوق کے دماغ میں دو کھرب خلیئے متحرک ہیں۔

ایک مخلوق ایک گھنٹے میں تین میل کی مسافت طے کرتی ہے۔

دوسری مخلوق ایک گھنٹے میں ستائیس میل چلتی ہے۔

تیسری مخلوق کی پرواز ایک سو اسی ہزار میل ہے۔

پہلی مخلوق مادیت کے خول میں بند ہے۔

دوسری مخلوق روشنی کے خول میں بند ہے۔

تیسری مخلوق روشنی کی رفتار (ایک لاکھ چھیاسی ہزار دو سو بیاسی میل فی سیکنڈ) میں قید ہے۔

ایک مخلوق کی بساط زمین' دوسری مخلوق کی بساط خلا' تیسری مخلوق کی بساط زمین کے اوپر خلا کی بساط ہے۔

ایک مخلوق کو کھانے اور پینے کی اشتہا کو پورا کرنے کے لئے اربعہ عناصر کی ضرورت ہے۔

دوسری مخلوق کی اشتہا پوری ہونے میں فاسفورس کا عمل دخل ہے۔

تیسری مخلوق میں اشتہا کا تقاضہ بے رنگ روشنیوں سے پورا ہوتا ہے۔

خلا ایک تانا بانا ہے.......اس تانے بانے میں مخلوق نقش ہے.......... کپڑے پر پھول........ قالین پر شیر کی طرح۔

خلا کا دوسرا رخ محض تانا ہے اس پر بھی نقوش ہیں.........

خلا کا تیسرا رخ ایسی لہروں سے مرکب ہے جس میں تانا بانا نظر نہیں آتا..........

تینوں مخلوقات میں لمس کا احساس ہے.......... خوش ہونے اور ناخوش ہونے کے جذبات ہیں لیکن یہ احساس کہیں بھاری اور کہیں لطیف ہے..........جہاں بھاری اور بہت بھاری ہے وہاں کشش ثقل

ہے.......... جہاں ہلکا ہے وہاں کشش ثقل تو ہے لیکن خلا کا سفر کرنے میں مزاحم نہیں ہوتی.......... جہاں لطافت ہے وہاں کشش ثقل (Gravity) ختم ہو جاتی ہے۔

تینوں مخلوقات میں مشترک قدریں ہیں۔ ایک دوسرے کے کام آتی ہیں.......... ایک دوسرے سے تعاون کرتی ہیں اور .... ایک دوسرے سے عدم تعاون بھی ہوتا ہے۔

غرض یہ کہ تینوں مخلوقات کے افراد ایک جگہ جمع تھے۔ .... اسپیس میں بند ایک بندے نے خود کو ان تینوں کے سامنے پیش کیا.......... ایک فرد ٹھوس اور دوسرا ٹرانسپیرنٹ نظر آیا.......... تیسرا فرد اس بندے کی طرف متوجہ ہوا تو بغلوں کے نیچے جڑے ہوئے خوبصورت اور کئی رنگوں سے مزین پر کھل گئے.......... ان پروں سے رنگین روشنیاں سرچ لائٹ کی طرح نکلیں کہ فضا رنگین ہو گئی۔ قوس قزح کے رنگ ان رنگوں کے سامنے ہیچ اور دم بخود ہیں۔

اسپیس میں بند شعور کا ایک فرد تینوں افراد سے اس طرح مخاطب ہوا..........

یہ جو تخلیق کے اتنے سارے روپ ہیں اتنے سارے رنگ اور اتنے سارے نقوش ہیں کیوں ہیں؟ الگ الگ رفتار کے تعین میں کیا حکمت ہے؟ ان میں سے ایک نے پوچھا دلہن کو کیوں سجایا جاتا ہے؟ اس بندے نے کہا **Attraction** پیدا کرنے کے لئے.......... نامکمل رخ کی تکمیل کے

لئے، دنیا میں رنگینی اجاگر کرنے کے لئے! پوچھا۔ دلہن بوڑھی کیوں ہو جاتی ہے؟

اسپیس میں بند شعور مخلوق کے فرد نے کہا.......... ماضی سے رشتہ استوار رہنے کے لئے..........

دلہن بوڑھی نہیں ہو گی تو ماضی کی طرح نئی دلہن نہیں بنے گی.......... ماضی کا رشتہ ہی اس ساری کائنات کی اصل ہے۔

تخلیق کے روپ بہروپ دراصل دوشیزاؤں اور دلہنوں کے روپ ہیں.......... کسی جگہ زمین پر پھول دلہن ہے.......... کہیں زمین پر خوبصورت درخت دلہن کا روپ ہے.......... آسمانوں پر یہ دلہن ستاروں بھرا جھومر پیشانی پر رکھے ناظرین کو اپنی طرف متوجہ کر رہی ہے۔

کائناتی سسٹم میں مخلوق جب تک دلہن کے روپ میں رہتی ہے خوش رہتی ہے.......... ہر فرد اپنے اندر پھول کھلتے دیکھتا ہے.......... فوارے ابلتے نظر آتے ہیں.......... آبشاریں اندر گرتی ہیں.......... آبشاروں کے مدہم اور سریلے گیت اسے لطیف حس سے مانوس کر دیتے ہیں..........

تینوں مخلوقات میں ہر مخلوق کے اندر لطیف حس موجود ہے.......... فرق درجہ بندی کا ہے..........

ایک مخلوق کے اوپر کثافت کا پردہ زیادہ ہے۔

دوسری مخلوق پر کثافت کا پردہ یا خول کم ہے۔

تیسری مخلوق پر کثافت کا پردہ نہیں ہے۔

دونوں مخلوقات تیسری مخلوق کی طرح کثافت کے پردے اور تاریکی کے خول سے خود کو آزاد کر دیں تو وہ اپنے اندر گرتی آبشاروں کو دیکھ لیتی ہے..........اور یہ آبشار خود کو نور کے بہتے دریا کے سپرد کر دیتی ہے۔

نور کا بہتا دریا کیا ہے؟

وہ خول ہے جو ساری کائنات کی بساط ہے..........

اللہ آسمانوں اور زمینوں کا نور ہے۔

اس نور کی مثال ایسی ہے جیسے طاق میں چراغ..........

چراغ شیشے کی قندیل میں ہے..........

قندیل گویا کہ موتی کی طرح چمکتا ہوا ستارا ہے..........

زیتون کے مبارک درخت سے روشن کیا جاتا ہے..........

نہ شرقی ہے نہ غربی ہے..........

قریب ہے کہ روشن ہو جائے اگرچہ آگ نے اسے نہ چھوا ہو..........

نور علی نور ہے..........

اللہ جسے چاہتا ہے اپنے نور کو دکھا دیتا ہے..........

اور اللہ لوگوں کے لئے مثالیں بیان کرتا ہے..........

اور اللہ ہر چیز کو جاننے والا ہے۔ (القرآن)

پھول مہک

اللہ کی کتاب جو اللہ کے محبوب ﷺ پر نازل ہوئی۔ جس میں لاریب' شک نہیں۔ جو کتاب روشن دلیلوں کے ساتھ ہدایت ہے متقی لوگوں کے لئے۔جس کتاب کا ہر ہر لفظ نور ہے' ایسا نور جو انسان اور خالق کے درمیان تعلق قائم کرتا ہے۔ ایسا نور جو مخلوق کے لئے سماعت اور بصارت بن جاتا ہے۔ یہی نور ہے جو زمین کو بچھائے ہوئے ہے اور یہی نور ہے جس نے آسمانوں کو رفعت بخشی ہے۔ نور علی نور ہدایت عطا کرتا ہے جسے اللہ چاہے۔

نور کے جامہ میں ملبوس قرآن کریم کی آیت :۔

''عقل والے اللہ تعالیٰ کی نشانیوں پر غور کرتے ہیں۔''

پر میں نے تفکر کیا..........یکا یک شعور سے اس پار لاشعور میں جھماکہ ہوا..........غنود کے دروازے سے نکل کر لاشعوری حواس میں پہنچا..........تو

لاشعوری طلسماتی دنیا میں زماں ومکاں کی قید سے آزاد انسانوں کو

چلتے پھرتے دیکھا۔ مرغزاروں میں طیور دیکھے.......... مہوش ایسی صورتیں نظر آئیں جن کی سراپا بلور کے قندیل تھے۔ شیشے کے جاروں میں بند قطار اندر قطار سرو اور درختوں کو ترانے گاتے سنا۔

چٹکتی کلیوں اور مہکتے پھولوں کو غزل سرا دیکھا.......... ذہن میں ایک دریچہ کھلا.......... لاشعوری دنیا سے پرے بھی ایک اور عالم بالکل اسی طرح موجود ہے جیسے میری زمین اور میری زمین کے باسی۔

میں اوپر سے نیچے پلٹ آیا کہ جب سب کچھ زمین ہی ہے تو میں زمین کے اوپر کیوں تفکر نہ کروں.......... زمین کے اندر کا کھوج کیوں نہ لگاؤں۔

میں نے اپنی ماتا دھرتی سے پوچھا:

اے ماں! تو کیا ہے؟

زمین بولی.......... میں کیا نہیں ہوں۔

میں چٹکتی کلی کا حسن ہوں' شاخوں اور پتوں کا نکھار ہوں۔ پھول کی مہک ہوں بلبل کی آواز ہو چڑیوں کی چہکار ہوں کوئل کی کوک ہوں کبوتر کی غٹرغوں ہوں پھلوں میں مٹھاس ہوں کلیوں پھولوں پھلوں کا رنگ ہوں اور درختوں کی آن بان ہوں۔

زمین بولی:

میں اگر پھول کے بیج کو اپنے شکم میں نشوونما نہ دوں تو پھول میں خوشبو کہاں سے آئے گی۔

میں پھلوں کو اپنے رحم میں پروان نہ چڑھاؤں اور ان کے اندر مٹھاس منتقل نہ کروں تو پھل میٹھے کیسے ہوں گے؟

میں تیری ماں زمین' تیرے لئے پانی کے چشمے نہ ابال دوں تو پہاڑوں سے آبشار نہیں گریں گے.......... یہ جو تو موٹر کار میں ہوائی جہاز میں دیوہیکل مشینوں میں تیل اور پیٹرول پھونکتا ہے یہ میری شریانوں سے نکلا ہوا میرا خون ہے.......... میں تیری ماں زمین .... اگر دل سخت کر لوں اور اپنا جسم اکڑا لوں تو میرے اوپر کوئی گھر نہیں بن سکتا۔ میں تجھے زندگی دیتی ہوں تو جب میرے اوپر تکبر کی تصویر بن کر ٹھوکروں میں روندتا ہے میں تب بھی تیرے پیر نہیں پکڑتی.......... اور جب تو میرے جسم میں اپنے نوکیلے ہتھیاروں سے گھاؤ ڈال کر میرے وجود میں بیج ڈالتا ہے تو میں تیری ماں ان کو ضائع نہیں کرتی کہ یہ میری اولاد کو زندگی دیتے ہیں۔

مگر اے میری اولاد!

کیا تو نے سوچا ہے کہ تو نے مجھے کیا دیا؟ تو نے میرے احسانات اور خدمت کا کیا بدلہ چکایا ہے؟

زمین پر بسنے والی میری اولادوں میں سے سب سے افضل اور میری چہیتی اولاد.......... میں نے تیرے باپ آدم کو جنم دیا.......... تیری ماں حوا کو خوبصورت وجود بخشا.......... اس لئے کہ ہر ماں کی طرح میری بھی آرزوئیں اور تمنائیں ہیں.......... میں بھی مامتا کی ماری چاہتی ہوں کہ میری اولاد خوش رہے' پرسکون رہے' آپس میں پیار و محبت' خلوص و ایثار ہو' ایک

بھائی دوسرے بھائی کو تباہ نہ کرے'ایک بہن دوسری بہن کو برباد نہ کرے..........

آدم وحوا کی نسل میری اولاد.......... آ! میرے قریب آ! کہ میں تجھے ایک راز بتا دوں مجھے اللہ نے تیرے لئے دسترخوان بنا دیا ہے..........

جتنا میرا طول و عرض ہے..........اتنا ہی بڑا کشادہ اللہ کا دستر خوان ہے۔ اس دسترخوان پر اللہ تعالیٰ نے وہ ساری نعمتیں رکھ دی ہیں جن کی تجھے ضرورت ہے۔ ایک سرے سے دوسرے سرے تک نعمتیں ہی نعمتیں ہیں۔ کوئی روک ٹوک نہیں.......... کوئی قیمت نہیں۔ زمین پر رہنے والا ہر فرد جس طرح چاہے اس سے مستفیدہو سکتاہے' ہو تا ہے' ہوتا رہے گا.......... کیا تو نہیں دیکھتا اور کیا تو نہیں سمجھتا کہ میں تیری ملک بن گئی ہوں۔ میری ہر چیز تیری ہے۔جس طرح ہر ماں کی ہر چیز اولاد کی ہوتی ہے۔

سونا چاندی میرے ہی جسم کے ذرات ہیں۔ پرت در پرت طبقات میرے اعصاب میں..........پانی میرا خون ہے۔ Gases میری وریدوں میں دوڑنے والی حیات ہیں۔ رنگ میری خوبصورتی..........غلافوں میں بند پھل میری حیا.......... مخملی گھاس میرا لباس ....پھول لباس پر نقش و نگار..........چوپائے میرے وجود کا احساس ....پرندے میرا لہجہ'سمندر میرا مدوجزر' پہاڑ میری طاقت...... دریا میرا سکون..........بارش میرے آنسو.......... شفق

میرے لبوں کی لالی..........سورج میری روشنی چاند میرے ماتھے کا ٹیکہ اور ستارے میرے سر کا جھومر..........یہ سب کس کے لئے ہے۔

میرے بچو! یہ سب تمہارے لئے ہے۔

میں تمہاری ماں زمین۔

اپنی ماں! اپنے خالق اللہ کی منشاء سے..........اللہ کی چاہت سے..........اللہ کے پیار سے ہر آن ہر لمحہ تمہاری خدمت میں لگی رہتی ہوں۔تم کیوں آپس میں لڑ کر'فساد برپا کر کے' قتل و غارت گری سے اپنی ماں کو دکھی کرتے ہو۔ میں نے کبھی تم سے کچھ نہیں مانگا'ہمیشہ تمہیں زندگی دی ہے پھرتم کیوں میری گود اجاڑ دینا چاہتے ہو۔

سنو بگوش ہوش سنو!

ایک محلے میں پچاس گھر ہوتے ہیں۔ ہر گھر میں گھر والے اپنے آپ میں مگن رہتے ہیں ۔کوئی کسی کے گھر کو اپنا گھر بنانے کے لئے جھگڑا نہیں کرتا..........ایک شہر میں ہزاروں گھر ہوتے ہیں ہر فرد قناعت کے ساتھ اپنے آنگن میں اپنے پھول جیسے معصوم بچوں کے ساتھ خوش رہتا ہے۔

کیا زمین پر بسنے والی قومیں اپنے اپنے ملکوں میں محلوں اور شہروں میں رہنے والے لوگوں کی طرح آخر کیوں نہیں رہ سکتیں۔تم اقتدار کے نشے میں بدمست کیوں ہو گئے ہو میں کروڑوں سال سے زائد ہوں۔ میں نے نہیں دیکھا کہ اقتدار کی حوس میں فتوحات کرنے والا کوئی غاصب..........انا کا پجاری ظالم اور جاہل اپنے ساتھ ایک تنکا بھی لے گیا ہے۔

میرے بچو!

تم میری کوک سے محبت کی تصویر بن کر جنم لیتے ہو اور محبت کو نفرتوں میں تبدیل کر کے خالی ہاتھ واپس لوٹ آتے ہو۔

میں زمین تمہاری ماں ہوں۔

میرے اندر نفرت حقارت تعصب نسل پرستی اور اقتدار کا شائبہ بھی نہیں ہے.......... کیا تمہیں اپنی ماں کو مایوس کر کے دکھی کر کے خوشی ہوتی ہے.......... کیا تم اتنے ہی احسان فراموش ہو کہ تمہاری ماں اپنے خون کا ایک ایک قطرہ نچوڑ کر تمہیں زندگی دے رہی ہے اور تم آپس میں اپنی ماں کے لئے بہن بھائیوں میں خوشیاں نہیں بانٹ سکتے ہو۔

یاد رکھو!

تمہیں اپنی پوری گندگی سرانڈ اور جاہ و جلال کے جھوٹے دعووں کے ساتھ دوبارہ میرے پاس آنا ہے.......... میں ماں ہونے کے ناطے تمہارا تعفن تو ڈھانپ لوں گی مگر تمہیں اپنے لئے بچھے ہوئے دوسرے دستر خوان پر بھی نا خوش ہو کر جینا ہو گا جہاں اقتدار ہے اور نہ ہی کبر و نخوت کی گنجائش ہے..........

دلہن

مشرق میں عباسیوں کی خلافت مادی اور سیاسی اقتدار کھو چکی تھی اور بغداد کے خلیفہ کی حیثیت ایک یادگار یا تبرک سے زیادہ نہ رہی تھی۔ مسلمانوں پر زر و جواہر کے حصول کا غلبہ تھا۔ مسلمان جب دعوت کرتے تھے تو ایک ایک دعوت میں نمود و نمائش کے لئے ہزاروں من شکر خرچ کر دیتے تھے۔ جہاں دعوت ہوتی تھی اس جگہ کو مجسموں سے سجایا جاتا تھا۔ شکر کو صاف کر کے شیشے کی طرح سجاتے تھے اور اس شکر سے بنے ہوئے ٹکڑوں سے شیر گیدڑ کے مجسمے اور پرندوں کی تصویریں دعوت گاہ کی دیواروں پر مزین کی جاتی تھیں۔ دستر خوان پر طلائی اور نقرئی ظروف میں کھانے چنے جاتے تھے۔ شہر سے باہر جس میدان میں دعوت کا اہتمام ہوتا تھا وہاں دیبا و حریر کے خیمے لگائے جاتے تھے۔ دستر خوان پر مشک و عنبر کی بنائی ہوئی خوبصورت خوبصورت چڑیاں رکھی جاتی تھیں۔

حکومت کے وزراء اور امراء کی بیویاں اپنی اپنی پالکیوں میں شمع برداروں

اور سواروں کے جلو میں ایک گھر سے دوسرے گھر جاتی تھیں۔ شادی ہوتی تھی تو دلہن کی ڈولی پر زرنگار پردہ پڑا ہوتا تھا جس میں نہایت قیمتی قسم قسم کے جواہرات ٹکے ہوئے ہوتے تھے۔ زرق برق لباس میں ملبوس ترکی قلماقیس گھوڑوں پر سوار ڈولی کے آگے پیچھے اور دائیں بائیں چلتے تھے۔ جہیز کا سامان سجے بنے ہوئے اونٹ اور خچروں پر جاتا تھا۔ اونٹوں کی گردن میں سونے کی گھنٹیاں اور خچروں کی گردن میں چاندی کی گھنٹیاں بجتی تھیں۔ اونٹوں اور خچروں پر چاندی سے بنے ہوئے صندوقوں میں زیورات اور دلہن کے ملبوسات ہوتے تھے۔

عیش کوشیوں میں مسلمان اس حد تک پہنچ چکے تھے کہ گانے بجانے اور دوسرے لہو و لعب کے مشاغل کے لئے ایک ایک نواب کے گھر میں پانچ پانچ سو لڑکیاں اور اتنی ہی تعداد میں خدام اور غلام جمع رہتے تھے۔ ایک کنواری لڑکی کی قیمت چودہ چودہ ہزار اشرفی تک لگتی تھی۔ احمد بن مروان ایک معمولی نواب تھا۔ اس کا نگار خانہ جس میں وہ داد عیش دیتا تھا اس میں آرائش و آسائش کا سامان تقریباً دو لاکھ اشرفیوں کا تھا۔ فرنیچر اور زیب و زینت کے آلات جڑاؤ تھے۔ ان میں بیش قیمت جواہرات لگے ہوئے تھے۔ یہ تذکرہ ہے ایک ہزار سال پہلے کا..........

قیاس ہے کہ اس وقت سونا ایک روپے تولہ سے زیادہ نہیں ہوگا۔ اس وقت سونے کی قیمت اگر چھ ہزار روپے مان لی جائے تو ایک ہزار سال پہلے دو لاکھ روپے تقریباً دو ارب روپے ہیں۔

تاریخ بتاتی ہے کہ اندلس کے مشہور اور نامی شاعر اور ادیب رئیس معتمد کے حرم میں آٹھ سو کنیزیں تھیں۔ یہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ اس کی اولادوں کی تعداد ایک سو تہتر (۱۷۳) تھی۔ آٹھ سو رطل (دس من) گوشت روزانہ اس کے

باورچی خانہ میں پکتا تھا۔

بڑوں کا کہنا ہے کہ دیگ میں سے ایک چاول دیکھ کر یہ پتہ چل جاتا ہے کہ چاول پک گئے ہیں یا کچے ہیں۔ آپ نے ابھی اوپر دو واقعات پڑھے۔ یہ مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کی دیگ کے دو چاول ہیں۔ پوری دیگ میں کیا پک رہا تھا اس کا اندازہ بڑی آسانی سے ہوسکتا ہے۔

اسی زمانے میں ایک صاحب امام غزالی تھے۔

یہ بہت بڑے فقیہہ بہت بڑے اصولی بہت بڑے متکلم مدرس مصنف واعظ اور مناظر تھے۔ اپنی فکر کی بلند پروازوں کی وجہ سے ایک مکتبہ فکر کے بانی تھے۔ شہرت و عزت کے جس مقام پر امام غزالی پہنچے یہ مقام آدم کی اولاد میں چند خوش نصیبوں کو ملا ہے۔ اپنے عہد کی سب سے بڑی حکومت کے فرمان روا کرتا دھرتا وزیر نظام الملک طوسی کی نگاہوں میں نہایت قدر و منزلت انہیں حاصل تھی۔ زرنگار ریشمی عبا اور چوغے ان کا لباس تھا۔ غزالی کے خوبصورت گھر میں باغ تھا۔ جس گھوڑے پر غزالی سوار ہوتے تھے اس کی لگام رکاب زین کی قیمت ہزار سال پہلے پانچ سو اشرفی تھی۔ غزالی کے دوست الفارسی نے لکھا ہے کہ فطرتاً غزالی بڑے تند خو، تنگ مزاج آدمی تھے۔ عام آدمیوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے تھے۔ نخوت و خود پسندی کا جذبہ غالب تھا۔ قوت گویائی ذہنی فکر اور دلیل پر ان کو بڑا ناز تھا۔

دوسری جگہ الفارسی لکھتے ہیں۔

اس شخص پر رعونت کا شیطان سوار تھا اور لیڈری کا شوق ان کے پیچھے لگا ہوا تھا۔ علم کا یہ حال تھا کہ مناظروں میں ان کے شاگرد کہتے تھے کہ پہلے ہم سے بات کرو اگر ہم تمہیں مطمئن نہ کرسکے پھر غزالی کے پاس جانا۔

ابن جوزی نے لکھا ہے۔

جب غزالی پہلی مرتبہ بغداد میں آئے تو ان کا حال یہ تھا کہ جتنے القاب و آداب ان کے نام کے آگے پیچھے لگائے جاتے تھے وہ ان کو کم خیال کرکے چاہتے تھے کہ لوگ ان القاب و آداب میں اور اضافہ کریں۔ (صفحہ ۱۲۰ جلد ۹۔ منتظم ابن جوزی)

مختصر یہ کہ غزالی دارالعلوم نظامیہ کے صدر عالی قدر تھے۔ دارالعلوم نظامیہ کی کرسی صدارت تک پہنچنا اس بات کی علامت تھی کہ اس شخص کو دین و دنیا کی ہر شئے میسر آگئی ہے۔ ہم بتا چکے ہیں کہ غزالی نظام الملک طوسی کے منظورِ نظر تھے۔ امام غزالی نے پچاس کتابیں لکھیں۔ ان ہی کتابوں میں ایک کتاب '' قرآن کی تفسیر'' جس کا نام ''یاقوت التاویل فی التفسیر التنزیل'' تھی جس کی چالیس جلدیں تھیں۔ امام غزالی نے عربی اور فارسی زبان میں بھی کتابیں لکھیں۔

غزالی نے جب ظاہرہ علوم کی بلندیوں کو چھو لیا اور علم فقہ اصول فقہ و کلام منطق و فلسفہ تصوف و اخلاق پر بہترین کتابیں لکھ چکے تو انہیں خیال آیا کہ ظاہرہ علوم کے علاوہ بھی دوسرے علوم ہیں ان کو بھی دیکھنا چاہئے۔ اس زمانے کے فقراء کے پاس گئے اور دس سال تک اس تلاش و جستجو میں سیاحی کی اور تھک کر بیٹھ گئے.......... اور فیصلہ کیا علوم باطن کی کوئی حیثیت ایسی نہیں ہے جس کا ظاہری علوم سے موازنہ کیا جائے۔ غزالی کے ایک دوست نے کہا '' ایک علوم باطن کے عالم ابوبکر شبلی رہ گئے ہیں جن کے پاس آپ نہیں گئے''۔ غزالی نے سوچا ان کے پاس بھی ہو آنا چاہئے ورنہ یہ خیال دامن گیر رہے گا کہ سفر پورا نہیں ہوا۔ غرض یہ کہ امام غزالی پانچ سو اشرفیوں کے زرق برق لباس اور مزین سواری گھوڑے پر

ابوبکر شبلی کی تلاش میں نکل کھڑے ہوئے۔ جس وقت ابوبکر شبلی کے پاس پہنچے وہ مسجد کے صحن میں بیٹھے گدڑی سی رہے تھے۔ پشت پر کھڑے ہو کر کہا، السلام وعلیکم!

ابوبکر شبلی نے پیچھے دیکھے بغیر کہا،

وعلیکم السلام! غزالی تم آگئے؟

شریعت میں علم پہلے ہے عمل بعد میں طریقت میں عمل پہلے ہے علم بعد میں۔ اگر تمہیں علم باطن کے بارے میں جاننا ہے کچھ سیکھنا ہے تو پہلے عمل کرو۔ اور عمل یہ ہے کہ سامنے کونے میں جا کر کھڑے ہو جاؤ..........

امام غزالی نے حکم کی تعمیل کی۔

تین روز نہایت اعلیٰ پیمانے پر مہمان نوازی ہوئی اور چوتھے روز سے یہ ڈیوٹی لگی کہ کھجور کی ایک بوری لے جاؤ اور بازار میں کھڑے ہوکر آواز لگاؤ کہ جو میرے سر پر ایک چپت لگائے گا اس کو ایک کھجور ملے گی..........

اللہ اکبر.......... یہ ریاضت تین سال جاری رہی۔

تین سال کے مراقبات و مجاہدات نے لوگوں کے تلخ و تند الفاظ کے ہتھوڑوں نے جھوٹی عزت و شہرت کے چھلکوں کو اتار دیا۔ پھر لوگوں نے دیکھا کہ پانچ سو اشرفیوں کے لباس اور زر و جواہرات سے مرصع زین اور رکاب کے ساتھ مزین سواری پر نکلنے والا امام بغداد کا ایک فقیر ہے۔

امام غزالی کے دوست الفارسی نے لکھا ہے۔

گذشتہ جنوں سے جب اس شخص کو افاقہ ہوا تو اس نے ہر قسم کی رسمی وضع قطع ترک کردی۔ حالت یہ ہوگئی تھی کہ ذرا سی بھی کسی میں معرفت اور خداشناسی کی جھلک ان کو نظر آتی اس کے پیچھے دوڑ پڑتے۔ لوگ چہ میگوئیاں کرتے ان سے

مختلف قسموں کی خبریں منسوب کرتے لیکن وہ خاموشی کے سوا کسی کا جواب نہیں دیتے تھے۔ جب لوگوں کا ہجوم جمع ہوا اور قال کے مقابلے میں حال کے بارے میں استفسار کیا تو امام غزالیؒ نے فرمایا۔

"اللہ کی قسم یہ وقت میرے اوپر نہ آتا تو میری ساری زندگی ضائع ہوجاتی۔"

امام غزالیؒ مجیب الدولہ جیسے سرپھرے وزیر کو لکھتے ہیں۔

"تم کو یہ معلوم ہونا چاہئے جس بلا و آفت میں تم مبتلا ہو کوئی وزیر مبتلا نہ تھا۔ کسی وزیر کے دور میں اس قدر ظلم و تباہی نہ پھیلی تھی جتنی کہ تمہارے زمانے میں پھیلی ہوئی ہے۔"

اگر کوئی شخص خدمت خلق کرنا چاہتا ہے تو جذبہ خدمت خلق زرق برق لباس پہننے سے ناممکن ہے کیونکہ زیب و زینت کا لباس رعونت اور خودداری کا موجب ہے۔ اگر وہ اس درجے پر پہنچ جائے کہ عوام اس کی خدمت کریں تو یہ ریا اور تکبر کا قیدی بن کر رہ جائے گا۔ دراصل یہ ایک نادان ہے جس کی صورت عقل مندوں جیسی ہے۔

ایک بادشاہ کو نصیحت کرتے ہوئے امام غزالیؒ فرماتے ہیں۔

"نصیحت اور خیر خواہی ایک مملکت ہے جس کا منشور یہ فرمان نبویﷺ ہے کہ:

میں نے تمہارے درمیان دو واعظ چھوڑے ہیں۔ ایک خاموش دوسرا گویا۔ خاموش واعظ موت ہے اور ناطق واعظ قرآن۔"

موت کہتی ہے..........

جتنے انسان دنیا میں بستے ہیں وہ جان لیں کہ میں تمہاری گھات میں بیٹھی ہوں .... ایک دم نکلوں گی.......... کسی کے پاس اپنا ایلچی نہیں بھیجوں گی۔ تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ میں تمہارے ساتھ کیا کرنے والی ہوں۔ اگر تم چاہتے ہو کہ میری پاداش سے بچو تو تم یہ عمل اختیار کرو.......... امراء کو چاہئے کہ گذشتہ امراء کو دیکھیں .... بادشاہوں کو چاہئے کہ وہ گزرے ہوئے بادشاہوں کو دیکھیں۔

ملک شاہ علق ارسلان اور تغرل بیگ قبر کے اندر سے منادی کرتے ہیں۔

اے بادشاہ! اے آنکھوں کی ٹھنڈک اپنی رعایا کے معاملہ میں احتیاط کرو۔ بچتے رہو۔ ڈرتے رہو۔ اگر تمہیں یہ معلوم ہوجائے کہ ہمارا انجام کیا ہوا ہے اور ہمارے اوپر کیا بیت رہی ہے اور ہم کس ہولناک منظر کو دیکھ رہے ہیں تو تم ایک رات بھی شکم سیر ہوکر کھانا نہیں کھاؤ گے۔ تم ایک دن بھی کپڑے نہیں پہنو گے۔ اگر تمہاری رعایا میں کوئی شخص بھی بھوکا ننگا رہا تو تمہیں اس کا جواب دینا ہوگا۔

قرآن پاک میں ہے۔

"جو شخص ذرہ برابر بھلائی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا اور جو شخص ذرہ برابر برائی کرے گا وہ اس کو دیکھ لے گا۔"

اللہ تعالیٰ کی طرف سے چار نعمتیں عطا ہوئی ہیں۔

(۱) ایمان (۲) درست عقیدہ (۳) اچھی صورت (۴) اچھی سیرت

اچھی سیرت انسان کے اختیار میں ہے لیکن پہلی تین نعمتوں پر انسان کا کوئی اختیار نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے جب انسان کو تینوں نعمتیں بھرپور طریقے سے عطا کی ہیں تو انسان کو بھی چاہئے کہ چوتھی نعمت کو آراستہ کرنے میں کوتاہی نہ کرے۔

..........جس شخص کی زبان کا ذائقہ بگڑ گیا ہے اس کو میٹھا پانی بھی کھارا اور کڑوا لگتا ہے۔

..........معلوم ہونا چاہئے کہ مضبوط دیواریں آہنی دروازے اور مال و دولت کے ذخیرے آفات و مصائب کو دور نہیں کرسکتے۔

..........ہر ظالم کی گردن پر دوسرا ظالم سوار ہے اور یہ دونوں مکافات عمل کی چکی میں پستے ہیں۔

..........مرض دل کی دوا کتاب اللہ میں تفکر و تدبر ہے۔

..........اوروں کو وعظ و نصیحت مت کر اور یہ نکتہ یاد رکھ جو حضرت عیسیٰؑ کو بتایا گیا:

''اے فرزند مریم! پہلے اپنے نفس کو نصیحت کر۔ اگر تو نے نصیحت قبول کر لی ہے تو لوگوں کو نصیحت کر ورنہ شرمسار ہو جا۔''

نظر کے معانی یہ ہیں کہ جس شئے پر تم نظر ڈالو اس شئے کے اندر تمہیں اللہ نظر آئے۔ موجودات میں اللہ کے علاوہ کچھ نہیں ہے۔ جو شخص اس درجہ پر فائز ہو جاتا ہے وہ ہدایت کی ابتداء سے ہدایت کی انتہا پر پہنچ جاتا ہے۔

جو لوگ اللہ کی اطاعت اور فرمانبرداری تحسین و عافین اور ثواب کی خاطر نہیں کرتے اور ان کے پیش نظر صرف اللہ اور اللہ کی رضا ہے، بارگاہ ایزدی تک ان کی رسائی ہو جاتی ہے۔ ان کے اور اللہ کے درمیان ایسا ربط پیدا ہو جاتا ہے کہ ان کی دعائیں قبول بارگاہ ہوتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔

''تم مجھے پکارو میں تمہاری پکار کا جواب دوں گا۔''

جو لوگ ان صفات کے بغیر دعا کرتے ہیں وہ بے ثمر رہتے ہیں۔ یہ حقیقت ہے کوئی مال و دولت کا مالک نہیں ہے..........ہر شخص جو مال و دولت اور جائداد کے عشق میں مبتلا ہے لامحالہ اسے سب کچھ چھوڑ دینا ہے۔ وہ لوگ سعادت مند ہیں جو اپنا مال غریبوں اور مسکینوں کو صدقہ کر دیتے ہیں اور جو لوگ مال و دولت جمع کرنے میں الٰہی قانون کا احترام نہیں کرتے ن کے لئے عذاب اور رسوائی ہے۔ ایسا عذاب اور ایسی رسوائی جس کو اللہ تعالیٰ نے عذاب الیم کہا ہے۔ کچھ لوگ ایسے ہوتے ہیں جو مال و زر کو اپنے اوپر خرچ کرتے ہیں نہ اپنی مرضی و اختیار سے دوسروں کو دیتے ہیں۔ ایسے لوگوں کا معاملہ ملک الموت کے ہاتھوں میں چلا جاتا ہے.......... ملک الموت آجاتا ہے تو پہنے ہوئے معمولی کپڑے بھی انسان ساتھ نہیں لے جاسکتا۔

امام غزالیؒ ۴۵۰ھ میں پیدا ہوئے اور ۵۰۵ھ میں وفات پائی۔ تاریخ بتاتی ہے۔

ایک دن کفن کے کپڑے ہاتھ میں پکڑے امام غزالیؒ یہ کہتے ہوئے باہر نکلے.......... بہ سر و چشم بندہ حاضر ہے .... اور اس دنیا سے رخصت ہو گئے۔

جہنم

دن ماہ و سال پر محیط جس زمانی وقفہ کو زندگی کا نام دیا جاتا ہے اس کا تعلق دراصل مادی مظاہر سے ہے۔ جب یہ مادی مظاہر مفقود ہو جاتے ہیں اور ہنستا بولتا چلتا پھرتا حرکت کرتا جسم' گوشت پوست کا پتلا ساکت و بے حس ہو جاتا ہے اور زندگی کے تمام آثار ختم ہو جاتے ہیں........ہم اسے مردہ قرار دیتے ہیں۔ حالانکہ اس مردہ جسم میں ہر عضو موجود ہے جو مرنے سے پہلے جسم میں موجود تھا۔ دل دماغ پھیپھڑے گردے خون وغیرہ ہونے کے باوجود جسم میں حرکت باقی نہیں رہتی۔ اس حقیقت کے پیش نظر یہ ماننا پڑے گا کہ جسم میں ضرور کوئی تبدیلی ہوئی ہے جس کی بناء پر جسم کے تقاضے ختم ہو گئے ہیں۔

مذہب بتاتا ہے کہ مرنے کے بعد قبر میں حساب کتاب ہو گا جب کہ

قبر کے اندر جسم مٹی کے ذرات سے تبدیل ہو کر مٹی بن جاتا ہے۔ مرنے کے بعد جس انسان سے احتساب ہوتا ہے وہ یہ مادی جسم نہیں ہے بلکہ روشنیوں کا ایک اور وجود ہے جو ہمارے جسم کے اوپر روشنیوں کے ہالے کی صورت میں رہتا ہے۔ مرنے کے بعد یہی جسم ہمارے اس کرہ ارض میں زمین سے اوپر ایک زون (Zone) میں چلا جاتا ہے۔ یہ روشنی کا جسم وہاں معینہ مدت تک زندگی گزارتا ہے۔ اس (Zone) کے تقاضے بھی ہماری زندگی کے تقاضوں کی طرح ہیں۔

قرآن پاک میں جہاں اس مقام (Zone) کا ذکر آیا ہے وہاں دو مقام "بلندی و پستی" کا تذکرہ ملتا ہے۔ ان دو مقامات کا ہماری مادی زندگی سے بھی گہرا تعلق ہے۔ مذہب ہمیں بتاتا ہے کہ زندگی اگر مذہبی اصولوں کے مطابق گزاری جائے تو انسان زون کے اعلیٰ مقام میں رہتا ہے اور اگر مذہبی اصولوں سے روگردانی کی جائے تو اسفل اور پست مقام پر زندگی گزارتا ہے۔ اعلیٰ مقام پر رہنے والے لوگ خوش رہتے ہیں۔ انہیں کسی قسم کا خوف اور غم لاحق نہیں ہوتا جبکہ پست مقام پر رہنے والے لوگوں پر خوف دہشت بے یقینی اور اضطراب مسلط رہتا ہے۔ وہ پریشانی سے نجات حاصل کرنا بھی چاہیں تو نجات نہیں پاتے۔

ہر انسان کی فطری مجبوری ہے کہ وہ کسی نہ کسی عقیدہ پر اپنے مستقبل کی تعمیر کرتا ہے........ اس لئے کہ حالات اسے بتاتے ہیں کہ وہ حالات کے ہاتھ میں چابی دار ایک کھلونا ہے۔ حالات چابی بھر دیتے ہیں تو کھلونا چلتا ہے

دوڑتا ہے آوزیں نکالتا ہے۔ چابی ختم ہو جاتی ہے تو کھلونے میں کوئی حرکت نہیں رہتی......... حالات کیا ہیں؟ چابی کہاں سے بھری جا رہی ہے؟ اس کے بارے میں انسان کوئی علم نہیں رکھتا۔ یہ لاعلمی اسے ان دیکھی طاقت کی طرف متوجہ کرتی ہے۔ ان دیکھی طاقت کے اوپر اس کا یقین اتنا ہی ہوتا ہے جیسے چشم دید چیزوں کے بارے میں ہوتا ہے۔ مذہب نے اس ان دیکھی طاقت کو خدا کے نام سے متعارف کرایا ہے۔ ....جو لوگ مذہب بے زار ہیں وہ بھی نادیدہ طاقت کو ماننے پر مجبور ہیں۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ اس کا نام خدا کی بجائے نیچر (Nature) یا کوئی اور نام رکھ دیتے ہیں۔

میرے پاس ایک صاحب تشریف لائے .... تعارف کرایا کہ میں خدا کو نہیں مانتا.......... سب کچھ میں خود ہوں۔ یہ ساری دنیا میرے سامنے بازیچہ اطفال ہے۔

میں نے پوچھا.........جی جناب! یہ تو فرمایئے کہ یہ دنیا کیسے بن گئی۔ انہوں نے وہی پرانی گھسی پٹی تھیوری بیان کر دی۔ زمین ایک کرہ ہے............خلا میں آتش فشاں پھٹا تو لاوا بہہ نکلا اور لاوے سے دنیا بن گئی..........وغیرہ وغیرہ۔

میں نے عرض کیا جناب! یہ سب صحیح مان لیا جائے تب بھی یہ سوال باقی رہتا ہے کہ دنیا میں توازن ہے۔ سورج اور چاند کے لئے منزلیں متعین ہیں۔ کائنات میں ہر موجود شئے کی ایک ڈیوٹی ہے اور ہر موجود نے اپنی ڈیوٹی سے کبھی انحراف نہیں کیا۔ آخر یہ سب موجودات جب کسی نظام کے تحت سرگرم

عمل ہیں تو.......... کسی نہ کسی کے ہاتھ میں تو اس کی باگ دوڑ ہو گی..........؟

بولے۔ ہاں! یہ سب نیچر کا کام ہے۔ نیچر سب کو سنبھالے ہوئے ہے۔ نیچر جانتی ہے کہ کائناتی نظام کس طرح قائم رہ سکتا ہے۔ میں نے سوال کیا۔ جناب مسلمان نیچر کو خدا' ہندو بھگوان' پارسی یزدان' یہود ایل ایلیا' انگریز گاڈ (God) کہتے ہیں۔ آپ نے خدا نہیں نیچر کہہ دیا........ کیا یہ خود کو دھوکہ دینے والی بات نہیں ہو گی .... آدمی ہوشیار تھے کچھ دیر خاموش رہے...........اور گفتگو کا رخ بدل کر گویا ہوئے۔

اگر آپ کی بات مان بھی لی جائے کہ خدا کا وجود ہے تو خدا نظر کیوں نہیں آتا..........

میں نے مودبانہ عرض کیا........جناب! آپ خود کو جانتے ہیں۔
وہ کھلکھلا کر ہنس پڑے....... پھر زوردار قہقہہ لگایا۔ ہنستے ہنستے بولے۔ کیا اچھا سوال کیا ہے؟ .... کیا تم خود کو جانتے ہو؟ .... میرے بھائی۔ میرے بزرگ کون ہے جو خود کو نہیں جانتا؟..........
میں نے ان کی بات سن کر کہا..........

تم خود کو جانتے ہو تو ....

کیا تم اس خون کو دیکھ رہے ہو جو تمہاری رگوں میں دوڑ رہا ہے ....تمہارے اندر ایک کائنات آباد ہے۔ کبھی تم نے اس کا مشاہدہ کیا ہے؟ میں نے ان سے پوچھا کہ تم زندگی کے کسی بھی اسٹیج پر بوڑھا ہونا پسند

کرتے ہو . . . . ؟ کیا تم اس رنگ و روشنی کی دنیا سے کلیتًا آزاد ہونا چاہتے ہو؟ کیا تم زندگی کے کسی بھی دور میں پریشان حال اور مصیبت زدہ رہنا چاہتے ہو؟

سامنے بیٹھے ہوئے صاحب نے مجھے ایسی نظروں سے دیکھا کہ جیسے میں زندگی سے منحرف کوئی مایوس آدمی ہوں' جس کی زندگی میں امید کی کوئی رمق باقی نہیں رہ گئی ہے.......... گلا صاف کر کے اور ذرا مسکرا کر کہنے لگے . . . . .اگر دنیا میں ٹوٹ پھوٹ نشوونما عروج و زوال اور فنا بقا نہ ہوتو..........پھر یہ دنیا' دنیا نہیں رہے گی..........

میں نے کہا....... میرے دوست! بات یہ نہیں ہے کہ دنیا فنا بقا کا ایک کھیل ہے........ یا شکست و ریخت سے ہی نئے نئے شگوفے پھوٹ رہے ہیں۔ میں نے آپ سے پوچھا ہے کہ کیا آپ مرنا چاہتے ہیں' اور جب آپ مرنا نہیں چاہتے تو کیوں مر جاتے ہیں۔ آپ خود کو بڑھاپے کے روپ میں نہیں دیکھنا چاہتے لیکن آپ کے سیاہ خوبصورت بال چاندی کے تاروں میں تبدیل ہو جاتے ہیں۔

میرے مرشد حضرت قلندر بابا اولیاءؒ نے ایک مجلس میں فرمایا۔

زمانہ گزرا...... کہ ایک آدم زاد' اتنی بڑی عمر کو پہنچ گیا کہ اس کا دنیا میں کوئی بھی نہیں رہا۔ گزر بسر کے لئے جنگل سے لکڑیاں توڑ کر فروخت کرتے تھے۔ ایک روز لکڑیاں زیادہ جمع کر کے گٹھر تو باندھ لیا مگر اٹھاتے وقت ہاتھوں میں لرزہ آ گیا.......... خون پانی بن کر آنکھوں سے بہہ

نکلا۔ بڑی ہی حسرت کے ساتھ آہ بھری اور بولے مجھ سے تو ملک الموت بھی روٹھ گیا ہے۔ اس کو بھی میرے حال پر رحم نہیں آتا.......... میں اب کیوں زندہ ہوں۔ میرے سب مر کھپ گئے.........مجھے موت کیوں نہیں آجاتی۔

ابھی لمحہ کا کچھ حصہ ہی گزرا تھا کہ ایک خوبصورت نوجوان سیدھی طرف آ کھڑا ہوا۔ سلام کیا اور پوچھا....... بزرگو! میں آپ کی کیا خدمت کروں۔ بزرگ نے پوچھا....... کون ہوتم....... نوجوان بولا میں ملک الموت ہوں . . . . .ابھی آپ نے یاد کیا تھا حاضر ہو گیا ہوں.........بزرگ فوراً بولے.......... لکڑی کا یہ گٹھرا اٹھا کر میرے سر پر رکھ دے۔

سامنے بیٹھے ہوئے یہ صاحب جن کا میں ذکر کر رہا ہوں' ایک پروفیسر ہیں جو کمیونسٹ نظریہ پر عقیدہ رکھتے ہیں......اور پکے اتنے ہیں کہ کمیونزم کی ستر سالہ عمارت ڈھیر ہونے کے باوجود اپنے نظریہ یا عقیدہ پر قائم ہیں۔ میں نے پروفیسر صاحب سے کہا....... میرے محترم دوست! جس طرح آج کا دور بے چینی پریشانی کا دور ہے....... اسی طرح پانچ ہزار سال پہلے بھی پریشانی اپنے عروج پر تھی۔ دنیا دو طبقوں میں تقسیم ہو گئی تھی۔ جس کی لاٹھی اس کی بھینس والا ڈرامہ پوری توانائیوں کے ساتھ دنیا دیکھ رہی تھی......... علم کی نشرواشاعت عام تھی مگر عوام کو صرف وعدہ فردا سے دھوکہ دیا جا رہا تھا ....ایک گروہ نے اپنے مقصد مطلب تاویلات کو

مذہب سمجھ لیا تھا۔ منافقت ان کا اوڑھنا بچھونا بن گیا تھا . . . . .عوام چکی کے دو پاٹوں میں پس رہے تھے۔ کوڑیوں کا ڈھیر ان کا مقدر بنا دیا گیا تھا. . . . . .ایک گھر میں سینکڑوں قمقمے روشن ہوتے تھے تو دوسرے گھر میں اندھیرا تھا۔

مذہب کی اجارہ داری جب شیطان صفت انسانوں کے ہاتھوں میں آگئی اور عوام کو مذہب کے نام پر عزت نفس سے بھی محروم کر دیا گیا تو قانون قدرت نے کروٹ بدلی......... فراعین کے گروہ کو نیست و نابود کرنے کے لئے . . . . .ایک موسیٰؑ پیدا ہوا اور اعصائے موسیٰؑ نے خود کو اژدھے کے روپ میں بدل کر فراعین کے تمام بت کدوں کو نگل لیا..........

اب وہ گھڑی آگئی ہے کہ مذہب سے کھیلنے والے گروہ کو عصائے موسیٰؑ نگل لے گا اور دنیا پھر سکھ اور چین کا سانس لے گی۔

میری تقریر دل پذیر پروفیسر صاحب نے غور سے سنی اور کہا۔ سچ ہے۔ تاریخ خود کو دہراتی ہے .... جو آج ہے وہ کل ہوگا' اور جو کل ہو چکا ہے' آج ہو رہا ہے........ آج اور کل لمحات گزرنے کا ایک عمل ہے۔ لمحات کا گزر جانا ماضی ہے . . . . .ساری کائنات لمحات کی فلم ہے جو اربوں سال پہلے بن چکی ہے . . . . مگر ہر زمانہ میں ایک ہی کردار کے مختلف ناموں سے زمین کی اسکرین پر ڈسپلے ہو رہی ہے..........!

آدم کے نالائق بیٹے

یہ دنیا پریشانیوں مصیبتوں اور مایوسیوں کی دنیا ہے۔ جس کو ٹٹو لئے وہ اندر سے ٹوٹا ہوا بکھرا ہوا سیماب بنا ہوا ہے۔ کسی کل چین نہیں کروٹ کروٹ بیزار پاش پاش دل پرنم اور ٹپکتے آنسو آنکھ پرشکن پیشانی غنچہ دہن بسورتا چہرہ داغ داغ تن ایمان سے خالی من..........

انسان ایک ایسی اذیت میں مبتلا ہے کہ وہ نہ اس اذیت سے نکلتا ہے اور نہ اذیت کو قبول کرتا ہے۔ عظیم دنیا ویران اور جنگل بن گئی ہے۔ کوئی خوش نہیں کسی کو سکون نہیں' افراتفری کے عالم میں ہر شخص اپنی آگ میں جل رہا ہے۔ خود بھی جل رہا ہے اور دوسروں کو بھی جلا رہا ہے۔ ایک چہرے پر ہزار چہرے سجائے انسان خود فریبی کے ایک ایسے جال میں گرفتار ہو گیا ہے کہ نہ کھڑے ہونے کی جگہ ہے اور نہ چلنے کے لئے راستہ۔

تعصب کے دہکتے ہوئے کوئلوں پر انسان تڑپ رہا ہے۔ نسلی منافرت سے اس کا چہرہ مسخ ہو گیا ہے۔ مسکراہٹ ابلیسیت میں اور اخلاص فریب میں تبدیل ہو گیا ہے۔

میں نے سوچا ایسا کیوں ہے؟

جنت کے باغات جن کا وعدہ کیا گیا ہے کہاں غائب ہو گئے۔ سکون کیوں غارت ہو گیا ہے۔ اطمینان قلب کی کیفیت پر دبیز پردے کیوں پڑ گئے ہیں.......... آدم و حوا کی نسل کا قافلہ صحراؤں میں کیوں بھٹک رہا ہے۔

سوچتے سوچتے میرا شعور خود میرے اندر اتر گیا۔ چاروں سمتیں سمٹ کر ایک نقطہ بن گئیں۔ نقطہ کے اوپر ایک دائرہ نظر آیا۔ دائرہ پر اور بیشمار دائرے لپٹے ہوئے دیکھے۔ ان دائروں نے ایک نقطہ کی روشنی کو اپنے اندر جذب کر لیا اور پھر یہ دائرے اس نقطہ سے دور ہوتے چلے گئے۔ اتنے دور کہ نقطہ کا وجود اوجھل ہو گیا۔ کشش اور گریز کے اس مسلسل عمل سے دائروں پر عدم چھا گیا اور ایک تکون میرے اوپر میرے ذہن کے اوپر اور میری نسل کے اوپر مسلط ہو گئی۔ میں نے خود کو تکون کے تین زاویوں میں اس طرح دیکھا جیسے مجھے پابند سلاسل کر دیا گیا ہو جیسے جیسے میرے وجود پر میری زمین کے وجود پر میرے ماحول پر گھٹن کا احساس بڑھتا رہا میں اضطراب کے دو پاٹوں میں پستا رہا۔

میں نے دیکھا کہ..........

یہاں ہر سکون امتحان و اضطراب کے لئے مہلت ہے۔

اور ہر خوشی، غم و آلام کے انتظار کے لئے ایک وقفہ ہے۔

یہ راز جان کر میری چیخ نکل گئی، نبض ڈوب ڈوب گئی۔ دل دھڑکنے لگا آنکھوں کا سیل بہہ نکلا........ لاشعور اور شعور آسمان و زمین ایک دوسرے میں اس طرح پیوست دیکھے کہ جیسے ایک ورق کے دو صفحے یا کسی بہت چھوٹے بیج کے اندر بہت بڑا درخت..........

تفکر عمیق اور گہری گھاٹیوں میں سے گزر کر بالآخر میری انا میری زندگی میری روح میں اتر گیا..........

میں نے ایک ہیولیٰ دیکھا، رنگ بدلتے اس ہیولیٰ سے میں نے پوچھا۔

"تو کون ہے؟"

میرا سوال، فضا اور پرانوار ماحول میں گونج بن کر نشر ہونے لگا........ میں تیری ابدی شناخت ہوں۔ میں اس ہستی کی آواز ہوں........ جو تجھے عدم سے وجود میں لائی تجھے رہنے کے لئے زمین دی۔ اڑنے کے لئے بال و پر دیئے۔ دیکھنے کے لئے آنکھ دی۔ سوچنے کے لئے فواد عطا کیا۔ تیرے لئے سماوات کی درجہ بندی کی۔ آسمان کو چھت بنایا اور زمین کو فرش۔

آدم کے نالائق بیٹے!

گریبان میں منہ ڈال کر سوچ کہ جس زمین پر تو رہتا ہے جس زمین

میں سے تو اپنے لئے وسائل نکالتا ہے جو زمین تیرے اختیار اور ارادے کے بغیر تجھے پانی فراہم کر دیتی ہے جس زمین کے لئے تو اپنے باپ اپنی ماں اپنے بھائی کو قتل کر دیتا ہے جس زمین کو تو اپنی ملکیت قرار دیتا ہے انسانی جان سے جس زمین کی قیمت تیرے نزدیک زیادہ ہے . . . . .اس زمین کی ملکیت حاصل کرنے کے لئے تو نے زمین کے اصل مالک اللہ کو کتنی قیمت ادا کی ہے۔

اے جاہل ظالم جلد باز اور ناشکرے آدم کے بیٹے! یہ کیسی جہالت کبر وظلم اور کیسی حرماں نصیبی ہے کہ اصلی اور حقیقی مالک۔ اللہ کی زمین پر تو دندناتا پھرتا ہے' زمین کا مالک بن بیٹھا ہے۔ تو کیوں نہیں سوچتا کہ جب تو نے گھر کوٹھی فیکٹری اور اپنے کھیت کھلیان کی ایک پھوٹی کوڑی کی بھی قیمت ادا نہیں کی تو کس طرح تیرے اندر ملکیت کا تصور ابھرا۔ تو کس طرح مالک بن گیا۔

اے آدم کی ناسعید اولاد۔ تو غاصب ہے۔ مکار اور جھوٹا ہے . . . . .تو نے اللہ کی ملکیت کو اپنی ملکیت بنا کر فراڈ کیا ہے۔ اپنے ضمیر کو سراپا احتجاج بنا دیا ہے۔ تیرے ضمیر کا یہ احتجاج ہی تجھے بے چین اور پریشان کئے ہوئے ہے۔

تجھے اللہ نے زمین مفت اس لئے دی ہے کہ تو اس زمین کو استعمال کر کے خوش رہے۔ ملکیت کا تصور جب تیرے اندر نہیں ہوگا تو قتل و غارت گری کا بازار سرد پڑ جائے گا۔

ایک آدمی کسی دوسرے آدمی کو اپنا گھر عارضی طور پر رہنے کے لئے دیتا ہے . . . . .وہ آدمی احسان فراموش ہو کر' اس مکان کو اپنی ملکیت میں شامل کرنے کا دعویٰ کرتا ہے . . . . .دنیا کا کوئی قانون اس کو تسلیم نہیں کرتا.........

اے آدم زاد' تو مکار دغا باز فریبی اور احسان فراموش ہے کہ خود ہی اپنے بنائے ہوئے قانون کی پاسداری نہیں کرتا۔ اللہ کی زمین پر' اپنے ہی بنائے ہوئے قانون کو توڑ کر تو نے اللہ کی ملکیت کو بزعم خود اپنی جائیداد بنا لیا ہے..........

بے شک تو ظالم جاہل اور دغا باز ہے . . . . .ظالم جاہل اور جلد باز' قانون شکن اور احسان فراموش بندے تو کیسے خوش ہو گا؟.......... ضمیر کی ملامت کا مارا ہوا انسان کیسے پر سکون رہ سکتا ہے؟

میرے دادا آدم کی نسل میری بہنوں اور میرے بھائیوں!

آؤ.......... کہ

آج عہد کریں اللہ کی زمین پر خوش رہیں گے خوش ہو کر کھائیں گے پئیں گے زمین کو اللہ کا عطیہ سمجھ کر زمین کی کوکھ اجاڑیں گے نہیں۔ اس کی حفاظت کریں گے..........

زمین اللہ کی ملکیت ہے۔ زمین کو اللہ کی ملکیت تسلیم کریں گے۔

بے شک وشبہ یہی حاکم اعلیٰ اور قادر مطلق ہے۔ اللہ ہر قسم کی احتیاج

سے مبرا ہے اور مخلوق سراپا احتیاج ہے..........

گھر گھر دستک

میں نے ایک ہزار تنکے جمع کیے۔ میرا ایک دشمن تھا۔ دشمن پر کاری ضرب لگانے کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ ایک ایک کر کے ہزار تنکے مارے جائیں تو دشمن ملیامیٹ ہو جائے گا۔ مگر ہوا یہ کہ سارے تنکے ٹوٹ گئے۔ میں ٹوٹے ہوئے ٹکڑے زمین پر جمع کرتا رہا.......... ہوا کا جھونکا آیااور سارے تنکے تتر بتر ہو گئے کیونکہ میں دشمن کو اپنی دانست میں ملیا میٹ کر چکا تھا۔ اس نے یہ موقع غنیمت جانا اور مجھ پر ٹوٹ پڑا۔ میں ابھی اس ناگہانی افتاد سے سنبھلنے بھی نہ پایا تھا کہ میرا ہر ہر عضو بیکار ہو گیا۔ جیسے ہر عضو موت کی نیند سو گیا ہو۔

میں نے اپنی بکھری ہوئی توانائی کو سمیٹ کر اٹھنا چاہا تو اتنی دیر میں دشمن نے بچے کچے تنکوں کو اکٹھا کر کے ان کو ایک دوسرے کے ساتھ رسی سے باندھ دیا اور میرے سر پر دے مارا۔ آنکھوں کے سامنے ترمرے آئے اور

میں نہیں معلوم کون سے عالم میں چلا گیا۔

میرے ارد گرد گدھ جمع ہو گئے اور انتظار کرنے لگے کہ کب سانس کی ڈوری ٹوٹے اور وہ جسم کو نوچ کر اپنی غذا بنائیں۔ آنکھیں تو میری بند تھیں' سماعت بھی نہیں تھی لیکن پھر بھی پتہ نہیں میں کس طرح دیکھ رہا تھا..........میں سن رہا تھا۔

بزرگوں سے سن رکھا ہے کہ باہر کی آنکھ کی طرح اندر بھی آنکھ ہوتی ہے۔ باہر کے کانوں کی طرح اندر بھی کان ہوتے ہیں۔ نظر آسمان کی طرف اٹھی تو مجھے فضا میں چیلیں اڑتی ہوئی نظر آئیں۔ کوے کائیں کائیں کرتے سنائی دیئے۔

لمحے بھی نہیں گزرے تھے کہ چیلیں اور کوے بھی میرے جسم کے قریب آ کر بیٹھ گئے۔ یہ بھی انتظار کے عالم میں تھے..........

شاید انہیں یہ انتظار ہو کہ جان کا رشتہ جسم سے ختم ہو تو ہماری بھوک رفع ہو۔ سرخ رنگ کی بڑی بڑی چیونٹوں کا قافلہ تیزی سے میری طرف بڑھ رہا تھا۔ کچھ چیونٹے میرے پیروں سے چمٹ گئے اور انہوں نے بڑی بے رحمی سے میرے پیروں کو زخمی کر دیا.......... خون رسنے لگا۔

میں نے دیکھا کہ ....میرے اندر سے ایک اور "میں" نکلا اور سرہانے کھڑا ہو گیا اس "میں" نے سوال کیا.......... کیا کہتے ہو!

یہ جسم گدھوں کوؤں چیلوں کتوں بلیوں اور بھیڑیوں کی خوارک بنا دی جائے یا ابھی اور تماشہ دیکھنا ہے..........ابھی اور مصیبت کی چکی پسنی

ہے؟

میں نے بھیگی آنکھوں روشن دماغ اور گداز دل سے کہا..........

میں نے جو تجربہ کر لیا ہے اس تجربہ سے میں ایک اور تجربہ کرنا چاہتا ہوں۔ افتراق و اختلاف کی جس بھٹی نے مجھے سوخت کر دیا ہے میں اس بھٹی کو ٹھنڈا کر دینا چاہتا ہوں۔

میری "میں" نے مجھے جواب دیا..........

کیا پھر ایک ہزار تنکے جمع کرو گے اور ایک ایک تنکے سے دشمن پر کاری ضرب لگاؤ گے؟

میں نے کہا نہیں۔

میں اپنے لوگوں کو جمع کر کے انہیں اپنی بے بسی اور اپنی بے ثباتی کی کہانی سناؤں گا۔ انہیں یہ باور کراؤں گا کہ انفرادیت موت ہے..........اجتماعیت زندگی ہے۔ انفرادیت بٹوارہ ہے۔ اجتماعیت استحکام ہے' انفرادیت محکومی ہے اور اجتماعیت حاکمیت ہے۔

میں گھر گھر دستک دوں گا..........

اے لوگو!

ہم ایک ہیں۔

ہم ایک امت ہیں

ہم ایک قوم ہیں

ہم ایک برادری ہیں

ہم ایک کنبہ ہیں اور ہم ایک خاندان ہیں۔

وحدت آبشار ہے امت دریا ہے۔ قوم بڑی بڑی نہریں ہیں' برادری ندی ہے' کنبہ واٹر کورس ہے اور خاندان وہ نالیاں یا وہ شریانیں ہیں جن سے پانی گزر کر ہماری زمین کو لہلہاتے کھیتوں میں تبدیل کر دیتا ہے۔

میں اعلان کرتا پھروں گا۔ کوئی سنے یا نہ سنے' میں پکارتا رہوں گا۔

انفرادیت ہلاکت ہے۔ انفرادیت عذاب ہے اس عذاب سے ہمیں نجات دلانے کے لئے وحدت نے ایک پیغمبر عطا کیا ہے جس نے بتایا ہے..........

جن قوموں کو انفرادیت اور ذاتی غرض کا عفریت ڈس لیتا ہے وہ زمین پر ادبار بن جاتی ہیں..........ادبار کی علامت بن جاتی ہیں۔

ہمارے نبی ﷺ نے لاکھوں سال کے تجربے کو سامنے رکھ کر ہمارے لئے پروگرام بنایا کہ ہم اجتماعیت سے آشنا ہو جائیں ہم اجتماعی حیثیت حاصل کر کے ہلاکت و بربادی سے محفوظ رہیں۔ نبی ﷺ نے ہمیں بتایا کہ مسلمان کی ساری زندگی اجتماعی زندگی ہے۔

۱) کوئی بھی بچہ زمین پر آتا ہے اس کی حیثیت ایک نہیں' تین ہوتی ہے۔ ایک ماں ایک باپ ایک وہ خود بچہ۔

۲) معاشرے میں مقام حاصل کرنے اور باعزت زندگی گزارنے کے لئے جب ایک دوسرے کے ساتھ رہنے کا معاہدہ ''نکاح'' کیا جاتا ہے تو یہ فیصلہ بھی اجتماعی ہوتا ہے۔ ہم یہ کیسے کہہ سکتے ہیں کہ ولیمہ کی حیثیت اجتماعی

نہیں ہے۔

۳) محلے محلے مساجد میں پانچ وقت اکٹھے ہونا۔ شہر کی بڑی مساجد میں جمعہ کے لئے جمع ہونا۔

۴) رمضان المبارک کے روزے اس طرح رکھنا کہ ایک آواز پر ہزاروں لاکھوں لوگ اپنے اوپر جائز کھانا پینا بھی حرام کر لیتے ہیں اور دوسری آواز پر سب اجتماعی طور پر کھانے پینے میں مشغول ہو جاتے ہیں۔

۵) عید کی نماز میں لاکھوں فرزندان توحید ایک جگہ جمع ہو کر اس بات کا اعلان کرتے ہیں:

ہم ایک اللہ کی مخلوق اور ایک نبی کی امت ہیں۔

۶) بقرہ عید میں

اللہ اکبر اللہ اکبر لا الہ الا اللہ واللہ اکبر اللہ اکبر واللہ الحمد

پڑھتے ہوئے عید گاہ میں جمع ہو کر یہ شہادت دیتے ہیں کہ ہماری حیثیت من حیث القوم انفرادی نہیں ہے۔ ہم ایک ہیں پوری امت مسلمہ ایک ہے۔

۷) حج کے ارکان پورے کر کے مسلمان قوم ہر سال یہ اعلان کرتی ہے کہ دین حنیف کے ماننے والے ایک ہیں۔ ان میں کوئی تعصب نہیں ان میں کوئی تفرقہ نہیں۔ ان میں کوئی کالا نہیں' کوئی گورا نہیں' کوئی عجمی نہیں اور کوئی عربی نہیں۔

اے لوگو سنو!

اگر مسلمانوں نے انفرادی حیثیت کو ختم نہیں کیا تو پوری قوم' پوری

امت ایک مردہ جسم یا لاش کی طرح ہے۔ جس کے چاروں طرف گدھ کوے چیلیں اس انتظار میں ہیں کہ اس کو اپنا لقمہ تر بنا کر نگل لیں۔ نوچ نوچ کر گوشت کھا جائیں۔ جس طرح میرے اندر کے ''میں'' نے آگاہی بخشی ہے اسی طرح مسلمان قوم کے اندر ایک اور قوم ہے۔ ایک اور تشخص ہے' ایک روح ہے جو پکار رہی ہے جو بتا رہی ہے.......... کہ اگر مسلمان قوم نے انفرادیت کے عذاب سے نجات حاصل کر کے اجتماعیت کو گلے نہیں لگایا تو یہ قوم صفحہ ہستی سے مٹ جائے گی اور زمین پر اس کا کوئی نام لیوا نہیں ہوگا۔

آیئے!

اپنے اندر نفرتوں کے جہنم بجھائیں۔

تفرقوں سے ہم آزاد ہو جائیں..........اور

''اللہ کی رسی کو متحد ہو کر مضبوطی کے ساتھ تھام لیں''

مسلمان قوم کے لئے یہی میرا پیغام ہے۔

مساجد

سن ایک ہجری تک اسلامی حکومت مدینہ منورہ کے چند محلوں تک محدود تھی۔ فتوحات کا سلسلہ شروع ہوا تو رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں دس سال کے قلیل عرصے میں اسلامی فتوحات میں روزانہ ۲۷۶ میل کا اضافہ ہوتا رہا۔ سن گیارہ ہجری میں جب فخرِ موجودات رسالت مآب ﷺ کا وصال ہوا تو دس لاکھ مربع میل کے علاقے پر اسلامی حکومت قائم تھی اور یہ سب پیغمبر اسلام ﷺ کی تعلیمات اور امت کے لئے اسلامی پروگرام کی بنیاد پر ہوا۔ ہم جب اسلامی نظام اور امت مسلمہ کے لئے ضابطہ حیات کا مطالعہ کرتے ہیں تو قرآن ہماری رہنمائی اس طرف کرتا ہے..........اسلام اجتماعی اقدار اور اجتماعی زندگی گزارنے کا نام ہے۔

اسلام میں جو عبادات فرض ہیں ان' میں بھی اجتماعی حیثیت برقرار

ہے اسلام نے اجتماعی حیثیت کو قائم رکھنے کے لئے دن میں پانچ وقت کی نماز‘ سال میں تیس روزے اور صاحب استطاعت لوگوں پر حج فرض کیا ہے۔

نماز . . . . .اجتماعی حیثیت میں عبادت کرنے کے لئے مسجد کا اہتمام ہوا۔ مسجد دراصل محلے میں رہنے والے مسلمان افراد کے لئے ایک (Meeting Place) ہے جہاں لوگ اکھٹے ہو کر اجتماعی عبادت کے ساتھ ساتھ ایک دوسرے کے حالات سے واقف ہوتے ہیں اور ایک دوسرے کا دکھ درد بانٹتے ہیں اور جب یہ نیک نفس حضرات و خواتین نماز باجماعت میں دو مرتبہ السلام وعلیکم کہتے ہیں تو اس عمل سے اجتماعی محبت‘ اجتماعی ہمدردی اور اجتماعی اخوت کے جذبات لاشعوری طور پر دل میں موجزن ہوتے رہتے ہیں۔

جمعہ کے روز بڑے اجتماع میں یہ رمز مخفی ہے کہ ملت اسلامیہ کے دانشور قوم کے افراد کو ساتھ لے کر مملکت کو درپیش مسائل پر تبادلہ خیال کریں اور مملکت کی فلاح و بہبود کے لئے لائحہ عمل متعین کریں۔ قوم کی معاشی حالت کو بہتر بنانے‘ معاشرے کی برائیوں کو دور کرنے اور فسق و فجور سے بچنے کی تدابیر نکالیں۔ نماز جمعہ کی افادیت کو سامنے رکھتے ہوئے جب ہم عیدین کی نماز کی حکمت پر تفکر کرتے ہیں تب بھی یہی بات سامنے آتی ہے کہ شہر کے گوشے گوشے مضافاتی بستیوں اور قریہ قریہ سے مسلمان ایک مقام ایک میدان اور ایک پلیٹ فارم پر جمع ہو کر محبت و اخوت کے ساتھ مصافحہ کرتے ہیں۔ گلے ملتے ہیں مبارک باد دیتے ہیں اور خوشی کے جذبات سے ایک دوسرے کو

پیار کرتے ہیں۔ صاف ستھرے لباس میں بچے رشتہ دار دوست احباب‘ اور پڑوسی مسرت اور شادمانی سے لبریز دل کے ساتھ بلا امتیاز ذات برادری امارت و غربت نیک و بد اور بلا تخصیص مسلک گھروں میں جا کر شیر خورمہ کھاتے ہیں اور گھر والے انہیں خوش آمدید کہتے ہیں۔ بچے اس لئے خوش ہوتے ہیں کہ انہیں عیدی ملتی ہے۔ چھوٹے اس لئے مسرور ہوتے ہیں کہ ان کے سروں پر بزرگ دستِ شفقت رکھتے ہیں۔ بزرگ اس لئے خوش ہوتے ہیں کہ انہیں بچوں میں اپنی گزری ہوئی معصومیت نظر آتی ہے۔ بیوی اس لئے خوش ہوتی ہے کہ اچھا شوہر اس سعید خوشی کے موقع پر اپنی رفیق حیات کو تحفہ پیش کرتا ہے۔ شوہر اس لئے خوش ہوتا ہے کہ پاک دامن نیک سیرت سگھڑ بیوی گھر کی تزئین و آرائش کرتی ہے۔ بچوں کے لئے اجلے کپڑوں کا اہتمام کرتی ہے اور نہایت فراغ دلی سے میزبانی کے فرائض انجام دیتی ہے۔ بیٹیوں کی خوشی ان کے چہرے سے عیاں ہوتی ہے جب وہ Shopping کرتی ہیں چوڑیاں پہنتی ہیں اور ہاتھوں کو مہندی کے نقش و نگار سے مزین کرتی ہیں۔

روزہ . . . . .رمضان المبارک کے مہینے میں تیس روزے ہمیں اس تفکر کی دعوت دیتے ہیں کہ بندے کا اور اللہ کا ایک براہ راست تعلق قائم ہے خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ روزے کی جزا میں خود ہوں۔

دوسری جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

"اے رسول ﷺ میرے بندے جب آپ ﷺ سے میرے بارے میں سوال کریں تو آپ ﷺ کہہ دیجئے میں ان سے قریب ہوں جب وہ مجھے پکارتے ہیں تو میں ان کی پکار سنتا ہوں۔"

انسانی زندگی کا مطالعہ ہمارے اوپر یہ باب روشن کرتا ہے کہ ہر انسان دو حواسوں میں زندگی گزار رہا ہے ایک قسم کے حواس اسفل زندگی کی طرف متوجہ رہنے پر مجبور کرتے ہیں اور دوسری قسم کے حواس ہمیں آزاد دنیا (جنت) سے روشناس کرتے ہیں۔

عام دونوں کے برعکس روزہ ہمیں ایسے نقطہ پر لے آتا ہے جہاں سفلی حواس کی گرفت ٹوٹ جاتی ہے اور ہم اجتماعی شعور میں داخل ہو جاتے ہیں۔ روزے میں اجتماعیت کا عمل دخل اتنا واضح ہے کہ کوئی آنکھ کا اندھا بھی مشاہدہ کر سکتا ہے۔

سحری کا وقت ختم ہونے کے بعد مسجد میں اللہ اکبر کی صدا بلند ہوتی ہے تو کروڑوں مسلمان اس ایک آواز پر منہ بند کر لیتے ہیں اور اپنے اوپر حلال چیزوں کو حرام کر لیتے ہیں۔ نہ کھانا کھاتے ہیں' نہ پانی پیتے ہیں' نہ چائے پیتے ہیں۔ تیرہ چودہ گھنٹے کے بعد مساجد سے پھر آذان نشر ہوتی ہے اور لوگ اجتماعی طور پر اللہ کے دیئے ہوئے رزق سے اپنا پیٹ بھرتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ روزہ میں یہ حکمت ہے کہ روزے رکھنے سے تزکیہ نفس ہوتا ہے اور اس عبادت کے نتیجہ میں انسان کے اندر روح کی بالیدگی اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ اعلیٰ حواس کا اسفل حواس پر غلبہ ہو جاتا ہے اور اس کے اندر دیکھنے کی

سمجھنے کی محسوس کرنے چھونے کی اور غیب کی دنیا میں داخل ہونے کی رفتار ساٹھ ہزار 60,000 گنا بڑھ جاتی ہے۔ ساٹھ ہزار گنا پرواز کی رفتار کو تلاش کرنے کے لئے رسول ﷺ نے شب قدر کا پروگرام دیا ہے۔

"ہم نے یہ اتارا شب قدر میں۔

اور آپ کیا سمجھے کیا ہے شب قدر۔

شب قدر بہتر ہے ہزار مہینے (ساٹھ ہزار دن رات کے حواس) سے۔

شب قدر میں اپنے رب کے حکم سے روح اور فرشتے اترتے ہیں ہر امر پر۔

امان ہے وہ رات صبح کے نکلنے تک۔" (القرآن)

قرآن پاک نے جس رات کا نام لیلۃ القدر رکھا ہے وہ دراصل رمضان کی تکمیل کا ایک حصہ ہے اس حصہ کی تکمیل سے اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان کہ روزہ کی جزا میں ہوں بندے پر صادق آ جاتی ہے۔ لیلۃ القدر کے حصول یعنی حواس کی رفتار ساٹھ ہزار گنا ہونے کے بعد بندے کو اللہ تعالیٰ سے جو قربت حاصل ہوتی ہے اور بندے کے اوپر اللہ تعالیٰ کی نشانیاں' روح اور فرشتوں سے ملاقات کا عمل سامنے آتا ہے تو اس عظیم نعمت کے حصول کے بعد مومن دوگانہ نماز عید ادا کرتا ہے وہ غیب کی دنیا سے متعارف ہونے کی خوشی میں اللہ کا شکر ادا کرتا ہے اور اس خوشی کو اجتماعی طور پر مصافحہ کر کے بغل گیر ہو کر مسلمانوں میں تقسیم کرتا ہے۔ یہی عید کا مفہوم ہے اور یہی عید کی خوشی ہے۔

یہی وہ ملت اسلامیہ کی اجتماعی حیثیت ہے جس کی وجہ سے بازوؤں میں طاقت دلوں میں اخوت اور قدرت نے ان کی تلوار میں ضرب کی اتنی صلاحیت پیدا کر دی تھی کہ تعداد میں کم ہونے کے باوجود حق و باطل کے پہلے معرکہ بدر کے میدان بدر میں اپنے سے تین گنا طاقت رکھنے والے دشمن کو (جو اس زمانے کے اعتبار سے بہترین اسلحہ سے مسلح تھا) شکست فاش دے دی۔

اغیار یہ بات جان گئے ہیں کہ ملت اسلامیہ کے ہر عمل میں فوجی اسپرٹ موجود ہے اگر یہ فوجی اور عسکری وقار برقرار رہا تو ایک دن مسلمان سارے عالم پر حکمران ہو جائے گا۔ دس ہزار لاکھ انسانوں کا ایک جان دو قلب قافلہ جس زمین کی طرف رخ کرے گا وہ زمین اس کے لئے گلزار بن جائے گی۔ ہماری طاقت ہماری قوت اور ہماری عسکری تنظیم کا وقار بلند کرنے کے لئے ہر سال عید ہمیں دعوت اتحاد و یگانگت دیتی ہے۔

آیئے! اس مرتبہ عید کی صدا پر کان دھریں اور اپنے اندر سے تفرقہ کو ختم کر دیں۔ اللہ کے حکم کی فرمانبرداری کرتے ہوئے اللہ کی رسی کو اجتماعی طور پر متحد ہو کر مضبوطی کے ساتھ پکڑ لیں تا کہ بدر کے ہمارے اسلاف کی طرح ہماری فتح میں معاون بننے کے لئے ہمارے اوپر فرشتے نازل ہوں۔ (آمین)

اے واعظو..........اے منبر نشینو

عیسوی دور کی شماریات میں جنوری کا مہینہ اپنی پوری آب و تاب کے ساتھ دو ہزار مرتبہ آچکا ہے۔ اس مہینے میں رنج و الم داغ مفارقت روح کی بیتابی مسرت و شادمانی آہیں آنسو بے سکونی اور سکون سبھی کچھ آتا رہا ہے اور آئندہ بھی یہ سلسلہ جاری رہے گا اس لئے کہ کائنات مسلسل حرکت ہے۔ حرکت ایک لمحہ کو بھی رک جائے گی تو دنیا بقا کے دوش سے فنا کے دوش پر منتقل ہو جائے گی اور اس طرح نیست و نابود ہو جائے گی کہ پھر ماضی حال مستقبل کسی کا تذکرہ نہیں ہو گا۔ لاکھوں کروڑوں سال کا ارتقاء پانی کے بلبلے کی طرح معدوم ہو جائے گا۔

یہ دنیا ایک طرف بقا ہے تو دوسری طرف فنا ہے۔ ایک طرف فنا ہے تو دوسری طرف بقا ہے۔ فنا و بقا کا یہ کھیل ریت کے گھروندے سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتا۔ یہی وہ سربستہ راز ہے جس کو بتانے سمجھانے اور عام کرنے کے لئے قدرت روشن اور منور لوگوں کو دھرتی پر بھیجتی ہے اور دھرتی کے یہ

روشن چراغ زمین پر بسنے والے لوگوں کو روشنی اور نور سے متعارف کراتے ہیں۔ قلندر بابا اولیاؒ ایسے ہی پاکیزہ اور مقدس گروہ کے افضل ترین ایک فرد ہیں۔

آج کی مجلس میں ہم نے قلندر بابا اولیاؒ کی تعلیمات کو مختصر الفاظ میں لوگوں تک پہنچانے کی سعی کی ہے۔ مستقبل کی نسل عظیمیہ سلسلہ کے افراد اور قارئین کے لئے یہ تحریر ایک مرقع تصویر ہے۔

☆ نوع انسان میں مرد عورتیں بچے بوڑھے سب آپس میں آدم کے ناطے خالق کائنات کے تخلیقی رازو نیاز ہیں۔ آپس میں بھائی بہن ہیں' نہ کوئی بڑا ہے نہ چھوٹا۔ بڑائی صرف اس کو زیب دیتی ہے جو اپنے اندر ٹھاٹھیں مارتے ہوئے اللہ کی صفات کے سمندر کا عرفان رکھتا ہو۔ جس کے اندر اللہ کی صفات کا عکس نمایاں ہو' جو اللہ کی مخلوق کے کام آئے' کسی کو اس کی ذات سے تکلیف نہ پہنچے۔

☆ یہ کیسا المناک اور خوفناک عمل ہے کہ ہم دوسروں کو نقصان پہنچا کر خوش ہوتے ہیں جبکہ آدم و حوا کے رشتے کے پیش نظر ہم خود اپنی جڑ کاٹتے ہیں۔ درخت ایک ہے شاخیں اور پتے لاتعداد ہیں۔

☆ خوشی اگر ہمارے لئے معراج کی تمنا ہے تو ہم اپنے نفسوں کو تکلیف پہنچا کر کس طرح خوش رہ سکتے ہیں۔

☆ دوستو! ایسے کام کیجئے کہ آپ خود مطمئن ہوں۔ آپ کا ضمیر مردہ نہ ہو جائے۔ اور یہی وہ راز ہے جس کے ذریعہ آپ کی ذات دوسروں کے لئے

رہنمائی کا ذریعہ بن جائے گی۔

☆ آدمی حالات کے ہاتھ میں کھلونا ہے۔ حالات جس طرح چابی بھر دیتے ہیں' آدمی اسی طرح زندگی گزارنے پر مجبور ہے۔

☆ موجودہ سائنس تلاش و جستجو کے راستے پر چل کر اس نتیجہ پر پہنچی ہے کہ پوری کائنات ایک ہی قوت کا مظاہرہ ہے۔ یہ انکشاف نیا نہیں ہے۔ ہمارے نبی کریم ﷺ چودہ سو بیس سال (۱۴۲۰) پہلے اس بات کا اعلان کر چکے ہیں کہ کائنات کے تمام مظاہر کو ایک ہستی کنٹرول کرتی ہے۔ قرآن اس حقیقت کو ان الفاظ میں بیان کرتا ہے:

اللہ نور السمٰوٰت والارض

''اللہ آسمانوں اور زمین کی روشنی ہے۔''

ہم جانتے ہیں کہ آدم زاد کی طرح چوپائے اور پرندے بھی اللہ کی مخلوق ہیں۔ ان کے اندر بھی احتیاج ہے۔ انہیں بھی بھوک پیاس لگتی ہے۔

اے آدم زاد!

کبھی تو نے سوچا ہے کہ روزی رساں اتنی بڑی مخلوق کو کس طرح روزی فراہم کرتا ہے؟

☆ ہر انسان کے اندر سطحی اور گہری سوچ موجود ہے۔ تفکر جب گہرا ہوتا ہے تو بجز اس کے کوئی بات سامنے نہیں آتی کہ ہر آدمی جنت اور دوزخ اپنے ساتھ لئے پھرتا ہے اور اس کا تعلق طرز فکر سے ہے۔ طرز فکر انبیاءؑ کے مطابق ہے تو آدمی کی ساری زندگی جنت ہے۔ طرز فکر میں ابلیسیت ہے تو تمام زندگی

دوزخ ہے۔

☆ ترقی کے خوشنما اور پُرفریب جال میں دنیا کی عمر گھٹ رہی ہے۔ زمین بیمار ہو گئی ہے۔ کراہتے ہوئے روتے ہوئے کہہ رہی ہے' '' خدارا میرے اور اپنے اوپر رحم کرو۔'' مگر کوئی کان ایسا نہیں ہے کہ اس سسکتی ہوئی اور غم میں ڈوبی ہوئی آواز کو سنے۔

☆ اے لوگو! دانشورو! کچھ تو ہوش وخرد سے کام لو۔ یہ کیسی ترقی ہے کہ آدمی خود اپنی نسل کو برباد کرنے کے لئے مسلسل کوشاں ہے اور تباہی کا نام اس نے ترقی رکھ چھوڑا ہے اور ترقی کے خوشنما پردوں میں ذہنی سکون اطمینان اور تحفظ کے احساس کو چھپا دیا ہے۔

☆ اے آدم زاد! میری بات پر دھیان دے....... میں جو تیرا ضمیر ہوں....... تیرے اندر کی آواز ہوں۔ تیرے باطن کی پکار ہوں۔ دیکھ! میرا گلا نہ گھونٹ' میری طرف متوجہ ہو ورنہ تو اسی طرح مصائب کے اندھیروں میں بھٹکتا پھرے گا۔

☆ اے واعظو!

اے منبر نشینو!

اے قوم کے دانشورو!

برائے خدا سوتی قوم کو جگاؤ اور بتاؤ کہ بے عمل قومیں غلام بن جاتی ہیں۔

☆ آدمی جب اپنی روح کا عرفان حاصل کر لیتا ہے تو اس کی رفتار کے

آگے بجلی کی رفتار صفر ہو جاتی ہے۔ ہزاروں لاکھوں سال پہلے کی باتیں اس کے سامنے آجاتی ہیں۔

☆ کوئی چیز براہ راست ہم سے ہم رشتہ نہیں ہے بلکہ ہر رشتہ میں اللہ کی صفت کا عمل دخل ہے

☆ من سے دوستی کا رشتہ مستحکم کرنے کے لئے ہمارا انر (Inner) ہمیں راستہ دکھاتا ہے اور وہ راستہ یہ ہے کہ یہاں ہمارا کوئی دشمن ہے نہ کوئی دوست ہے۔ ہم خود ہی اپنے دوست ہیں اور خود ہی اپنے دشمن ہیں۔

☆ روح رہنمائی کرتی ہے کہ ساری کائنات ایک ڈرامہ کی طرح ہے۔ کوئی باپ ہے کوئی ماں ہے کوئی بچہ ہے کوئی دوست ہے کوئی دشمن ہے کوئی گنہگار ہے کوئی پاکباز ہے۔ دراصل یہ اسٹیج پر کام کرنے والے کرداروں کے مختلف روپ ہیں۔ جب ڈراپ سین ہو جاتا ہے تو کوئی کچھ نہیں رہتا۔

☆ فتح کی آنکھ دیکھتی ہے کہ اللہ کی ساری مخلوق ایک نقطہ میں بند ہے۔ جس طرح ٹھہرے ہوئے پانی میں جھانکنے سے پانی کے اندر اپنی شکل نظر آتی ہے' اسی طرح اس نقطہ کے اندر دیکھنے سے کائنات کے سارے افراد فرشتے جنات انسان اور دوسری تخلیقات باہم دیگر جڑے ہوئے ملے ہوئے اور ایک دوسرے کے ساتھ پیوست نظر آتے ہیں۔

☆ حقیقی مسرت سے ہم آغوش ہونے کے لئے انسان کو سب سے پہلے یہ جاننا چاہئے کہ زندگی کا دارومدار صرف جسم پر نہیں ہے بلکہ اس حقیقت پر ہے جس حقیقت نے خود اپنے لئے جسم کو لباس بنا لیا ہے۔

☆ ہم جب یہ کہتے ہیں کہ فلاں آدمی مر گیا تو دراصل کہنا یہ چاہتے ہیں کہ فلاں آدمی کا کردار فلاں آدمی کی زندگی یا فلاں آدمی کی آواز ایک دستاویزی ریکارڈ بن گئی ہے۔

☆ جب تک آدمی کے یقین میں یہ بات رہتی ہے کہ چیزوں کا موجود ہونا یا چیزوں کا عدم میں چلے جانا اللہ کی طرف سے ہے' اس وقت تک ذہن کی مرکزیت قائم رہتی ہے اور جب یہ یقین غیر مستحکم ہو کر ٹوٹ جاتا ہے تو آدمی ایسے عقیدے اور ایسے وسوسوں میں گرفتار ہو جاتا ہے جس کا نتیجہ ذہنی انتشار ہوتا ہے پریشانی ہوتی ہے غم اور خوف ہوتا ہے۔ ٹوٹ پھوٹ کا شکار انسان روزانہ مرتا ہے اور روزانہ جینے کے بعد پھر مر جاتا ہے۔

☆ روح اور جسم کے مشترک نظام سے جب کوئی بندہ واقف ہو جاتا ہے تو وہ خود کو خوش اور ایثار کے جذبہ میں ڈوبا ہوا محسوس کرتا ہے۔ وہ ہر فرد کو اس نظر سے دیکھتا ہے جس نظر سے ماں اپنے بچوں کو دیکھتی ہے۔

☆ سکون ایک حقیقت ہے۔ ایسی حقیقت جس سے پوری کائنات بندھی ہوئی ہے۔ حقیقت فکشن نہیں ہوتی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ بندے کے اندر وہ کون سی طاقت ہے جو ٹوٹ پھوٹ اور گھٹنے بڑھنے سے محفوظ ہے۔ وہ طاقت ہر بندے کی' اس کی اپنی روح ہے۔ نسلی اعتبار سے اگر ہم اپنے بچوں کو ان کے اندر موجود روح سے آشنا کر دیں تو وہ مذہب سے دور نہیں ہوں گے۔

☆ اس رنگ و بو کی دنیا کی طرح ایک اور دنیا بھی ہے جو مرنے کے

بعد ہمارے اوپر روشن ہوتی ہے۔ ہم کتنے بدنصیب ہیں کہ ہم نے کبھی اس نادیدہ دنیا کی طرف سفر نہیں کیا۔ اگر ہم اس دنیا سے روشناسی حاصل کر لیں تو اس بات کی توقع کی جاسکتی ہے کہ ناشاد و نامراد زندگی کو مسرت و شادمانی میسر آجائے گی۔

☆ یہاں ہر چیز لہروں کے دوش پر رواں دواں ہے۔ یہ لہریں جہاں زندگی کو خوش آرام بناتی ہیں۔ مصیبت و ابتلا میں بھی مبتلا کر دیتی ہیں۔ نور کے قلم سے نکلی ہوئی ہر لکیر نور ہے اور نور جب مظہر بنتا ہے تو روشنی بن جاتا ہے۔ روشنی کم ہو جائے تو اندھیرا ہو جاتا ہے۔ آدم نے اس اندھیری دنیا میں قید ہونے کو سب کچھ سمجھ لیا ہے۔

☆ انسانی نگاہ کے سامنے جتنے مناظر ہیں وہ شعور کی بنائی ہوئی مختلف تصویریں ہیں....... اس لئے اس کے مشاہدات و تجربات بھی مفروضہ ہیں۔ ایک چیز کے بارے میں مختلف لوگوں کی سینکڑوں مختلف آراء ہوتی ہیں۔ حالانکہ حقیقت ایک اور صرف ایک ہوتی ہے....... عام مشاہدہ ہے کہ ہماری نگاہ کے سامنے مظاہر میں ہر وقت تغیر ہوتا رہتا ہے۔ آبادی ویرانہ میں اور ویرانہ آبادی میں بدل جاتا ہے.......

یہ متغیر دنیا کس طرح حقیقی ہے؟

جب کہ حقیقت میں تغیر نہیں ہوتا۔

قلندر

میں ایک پتلا تھا۔ پتلے میں خلاء تھا۔ خلاء میں کل پرزے تھے۔ ہر کل دوسری کل سے جڑی ہوئی تھی اور ہر پرزہ دوسرے پرزے میں پیوست تھا اس طرح کہ کہیں بھی کوئی حرکت ہو تو سارے کل پرزے متحرک ہو جاتے تھے۔ کل پرزوں سے بنی مشین کو چلانے کے لئے پتلے میں چابی بھر دی گئی تو پتلا چلنے پھرنے لگا۔ چلنے پھرنے' اچھلنے کودنے اور محسوس کرنے کے عمل سے پتلے میں ''میں'' پیدا ہوگئی۔ ''میں'' جانتی ہے کہ چابی ختم ہوجائے گی۔ ''میں'' کا وجود عدم ہوجائے گا اور پتلا باقی رہ جائے گا۔

لوگ اس ''میں'' کو ایک فرد مانتے ہیں۔ ''میں'' کو ایک ہستی تسلیم کرتے ہیں........ یہ بات ہے بھی سچی میں ایک فرد ہوں میری ایک ذات ہے۔

میری ذات' میری انا' میری ہستی کیوں ہے۔ کوئی نہیں جانتا۔ ''میں'' بھی نہیں جانتی۔

جب میں خود کو فرد کے روپ میں دیکھتا ہوں تو ظاہر الوجود نظر آتا ہوں اور جب میں خود کو ہڈیوں' پٹھوں اور کھال میں منڈھے ہوئے صندوق کے اندر تلاش کرتا ہوں تو مجھے اپنی ذات نظر نہیں آتی۔ البتہ باطن الوجود آنکھ دیکھتی ہے۔ عالم ایک نہیں' بے شمار عالمین ہیں اور ان عالمین میں لاکھوں کہکشائیں جھماکوں کے ساتھ قائم ہیں۔ لگتا ہے ساری کائنات Sparking کا مسلسل اور متواتر عمل ہے' لیزر بیم سے لطیف روشنی کی کرن ہے جس سے اندرونی دنیا بندھی ہوئی ہے اور اس اندرونی دنیا میں وہ کچھ ہے' ظاہر الوجود آنکھ جسے دیکھ نہیں سکتی۔ شعور ادراک نہیں کرسکتا۔ عقل کی وہاں تک رسائی نہیں۔

میری اصل باطن الوجود ہے اور ظاہر الوجود باطن الوجود کا عکس یا فوٹو اسٹیٹ کاپی ہے۔

میں اس وقت ''میں'' ہے جب زمین پر موجود ہوں لیکن تماشہ یہ ہے کہ زمین بھی ایک نہیں ہے یعنی زمین بھی ظاہر الوجود اور باطن الوجود کے غلاف میں بند ہے۔ زمین جب ظاہر الوجود ہے تو ٹھوس ہے اور زمین جب باطن الوجود ہے تو خلاء ہے۔ ظاہر الوجود زمین کشش ثقل ہے اور باطن الوجود روشنی ہے۔ زمین بھی عقل وشعور رکھتی ہے۔ نہ صرف عقل وشعور رکھتی ہے وہ ادراک بالحواس بھی ہے۔ زمین یہ جانتی ہے کہ انار کے درخت میں امرود نہیں

لگیں گے اور امرود کے درخت میں انار نہیں لگے گا۔ وہ مٹھاس، کھٹاس، تلخ اور شیریں سے بھی واقف ہے۔ اسکے علم میں یہ بات بھی ہے کہ کانٹے بھرے پودے میں پھول زیادہ حسین لگتا ہے۔ کانٹوں سے بغیر پودے میں پھول کتنا ہی خوش رنگ ہو، پھول میں کتنے رنگوں کا امتزاج ہو لیکن پھول کی قیمت وہ نہیں ہو گی جو کانٹوں کے ساتھ لگے پھول میں ہوتی ہے۔ زمین اس بات کا بھی علم رکھتی ہے کہ اس کی کوکھ میں رنگ رنگ، قسم قسم بیجوں کی نشوونما ہوتی ہے۔ زمین جہاں بے شمار رنگوں سے مزین پھول پیدا کرتی ہے، تلخ و شیریں پھل اگاتی ہے، پرندوں، چوپایوں کی تخلیق کرتی ہے وہاں اپنی حرکت کو متوازن رکھنے کے لئے پہاڑ بھی بناتی ہے لیکن یہ میلوں میل طویل اور آسمان سے باتیں کرتے بلند و بالا پہاڑ جب ظاہر الوجود زمین پر نظر آتے ہیں تو جمے ہوئے نظر آتے ہیں اور جب باطن الوجود پہاڑ دیکھے جاتے ہیں تو اڑتے ہوئے بادل دکھائی دیتے ہیں۔

ظاہر الوجود پتلا نہیں تھا تب بھی زمین تھی۔ ظاہر الوجود پتلا نہیں ہو گا تب بھی زمین رہے گی۔ ظاہر الوجود پتلا ایک ذرہ تھا۔ ذرے میں دوسرا ذرہ شامل ہوا تو ایک سے دو ذرات ہوئے اور ذرات کی تعداد اتنی بڑھی کہ ایک وجود بن گیا۔

قلندر دو حروف جانتا ہے اور وہ دو حروف یہ ہیں۔

کوئی نہیں، کچھ نہیں........

دانشور، سائنسدان، علامہ، مفتی، مشائخ کہتے ہیں لفظ دو ہیں۔

نفی اثبات........

قلندر کہتا ہے، اثبات نہیں، صرف نفی ہے اور نفی ہی مادے کی اصل ہے۔

آیئے! تجزیہ کریں تا کہ تجربہ مشاہدہ بن جائے۔ یہ سامنے مٹی کا ایک ڈھیلا رکھا ہوا ہے۔ اس کا وزن دو کلو ہے اس دو کلو وزنی ڈھیلے کو اس آدمی کی کمر پر مارا جائے تو چوٹ لگے گی۔

مٹی کے ڈھیلے کو کوٹ کر، پیس کر، آٹے کی طرح کر لیں۔

سوال یہ ہے کہ دو کلو وزن کدھر گیا۔ کیا اس پسے ہوئے ڈھیلے کے ذرات کو اگر کسی آدمی کی پشت پر مارا جائے تو چوٹ لگے گی؟

تجربہ شاہد ہے کہ چوٹ نہیں لگے گی۔ مشاہدہ یہ بھی ہے کہ مٹی کے ڈھیلے کو کتنا ہی پیس لیا جائے ذرات موجود رہیں گے اور کسی طریقے پر ان ذرات کو پھر ایک جگہ کر دیا جائے اور کسی آدمی کی پشت پر مارا جائے تو چوٹ لگے گی۔ حقیقت یہ منکشف ہوئی کہ بہت زیادہ ذرات کا ایک جگہ جمع ہو جانا ایک دوسرے کے ساتھ پیوست ہو جانا یا باہم دیگر ہم آغوش ہو جانا کشش ثقل یعنی اثبات ہے اور یہ ظاہر الوجود ہے........ ظاہر الوجود تو ہے مگر ظاہر الوجود کی اصل یا بنیاد فنا ہے۔

قلندر جب فنائیت کا تذکرہ کرتا ہے تو وہ ظاہر الوجود کی نفی کرتا ہے۔

کیوں نفی کرتا ہے اس لئے کہ اس کی نظر باطن الوجود کے علاوہ کچھ نہیں دیکھتی۔

علامہ اقبال رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے۔

قلندر بجز دو حرف لا الہ کچھ نہیں رکھتا
فقیہہ شہر قارون ہے لغت ہائے حجازی کا

آج چھٹا روزہ ہے۔ فجر کی نماز کے بعد مراقبے میں دیکھا کہ روزہ دراصل ترک اور نفی ہے۔ یعنی ظاہر الوجود انسان باطن الوجود انسان کے لئے خود کو نفی کرتا ہے۔ جیسے جیسے نفی کا عمل آگے بڑھتا ہے ظاہر الوجود انسان باطن الوجود انسان میں داخل ہوتا رہتا ہے۔ جب کوئی انسان باطن الوجود بن جاتا ہے اور خود کو باطن الوجود دیکھ لیتا ہے تو مادی دنیا سے نکل کر نور کی دنیا میں داخل ہو جاتا ہے۔ وہ سراغ پا لیتا ہے۔ پتلا ظاہرالوجود ہے اور پتلے کے اندر چابی باطن الوجود ہے....... چابی ہو گی تو پتلا حرکت کرے گا چابی نہیں ہو گی تو پتلا حرکت نہیں کرے گا۔

تیس دن تیس راتوں کے ترک سے انسان ایسے حواس میں داخل ہو جاتا ہے جن کی رفتار ظاہر الوجود کے حواس سے ساٹھ ہزار گنا زیادہ ہے۔ یہی وہ حواس ہیں جو غیب کی دنیا میں وسیلہ سفر بنتے ہیں۔ غیب کی دنیا کے مشاہدے کے بعد انسان کے اوپر کیف چھا جاتا ہے اور یہ سرور و کیف ہی تقریب عید ہے۔

مبارک کے مستحق ہیں وہ سعید بچے اور بزرگ جنہوں نے رمضان کے پروگرام ترک کو اپنایا' ظاہرالوجود حواس کی نفی کے لئے جدوجہد اور کوشش

کی۔ اعتکاف کی برکتوں سے مستفیض ہوئے اور اپنے دلوں کو نورانی دنیا کے انوار سے منور کیا۔

الصلوۃ معراج المومنین

نماز علم و آگاہی کے سمندر سے مخفی خزانوں کو ظاہر کر کے مسائل و مشکلات کا حل' پیچیدہ اور لاعلاج بیماریوں کا شافی علاج پیش کرتی ہے۔ نماز ہمارے اوپر غیب کی دنیا کے دروازے کھول دیتی ہے۔

خوف و دہشت میں مبتلا' عدم تحفظ کے احساس میں سسکتی ہوئی اور مصائب و آلام میں گرفتار امت مسلمہ کے لئے نماز ایک لائحہ عمل ہے جس پر عمل پیرا ہو کر ہم اپنا کھویا ہوا اقتدار دوبارہ حاصل کر کے زندہ قوموں میں ممتاز مقام حاصل کر سکتے ہیں۔

نماز اس مخصوص عبادت کا نام ہے جس میں بندے کا اپنے خالق کے ساتھ براہِ راست ایک ربط اور تعلق قائم ہو جاتا ہے۔ نماز ارکانِ اسلام میں وہ رکن ہے جسے کوئی باہوش وحواس مسلمان کسی حالت میں نہیں چھوڑ سکتا۔ نماز

کے اخلاقی' تمدنی' معاشرتی' جسمانی و روحانی بے شمار فائدے ہیں۔ صلوٰۃ اس عبادت کا نام ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی بڑائی اور تعظیم بیان کرنا مقصود ہے۔ نماز کو ٹھیک طریقہ پر ادا کرنا اولین رکن دین ہے۔ قبولیت نماز سے دین و دنیا کی ساری سربلندیاں حاصل ہو جاتی ہیں۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق نماز بندے کو منکرات اور فواحشات سے روکتی ہے۔ نماز کے ارادے میں خالق کائنات کا فرمان یہ بھی ہے۔

''اور وہ لوگ جو نمازی ہیں اور اپنی نمازوں سے بے خبر ہیں ایسی نمازیں ان کے اپنے لئے ہلاکت اور بربادی بن جاتی ہیں۔''

(سورۃ الماعون)

سیدنا حضورﷺ کا ارشادِ پاک ہے:

اللہ تعالیٰ نے فرمایا۔ '' میں نے تمہاری امت پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں اور میں نے اس کا ذمہ لے لیا ہے کہ جو شخص ان پانچ نمازوں کو ان کے وقت پر ادا کرنے کا اہتمام کرے اس کو میں اپنی ذمہ داری پر جنت میں داخل کروں گا۔''

آدمی جب نماز کے لئے قیام کرتا ہے تو جنت کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ نمازی اور اللہ تعالیٰ کے درمیان حائل پردے ہٹ جاتے ہیں۔

نماز مومن کا نور ہے۔

سجدہ کی حالت میں نمازی کا سر اللہ تعالیٰ کے قدموں میں ہوتا ہے۔

نماز مومنوں کی معراج ہے۔

ہر آسمانی مذہب میں خدا کی یاد کا حکم اور اس یاد کے لئے قوانین موجود ہیں۔ اسلام میں اگر حمد و تسبیح ہے تو یہودیوں میں مزمور' عیسائیوں میں دعا' پارسیوں میں زمزمہ اور ہندوؤں میں بھجن ہیں اور دن رات میں اس فریضہ کے ادا کرنے کے لئے ہر ایک میں اوقات کا تعین بھی ہے۔ نماز اعمال میں ایک ایسا عمل ہے جس پر دنیا کے تمام مذاہب متفق ہیں۔ ہر پیغمبر نے اپنی امت کو صلوٰۃ قائم کرنے کی تعلیم دی ہے اور اس کی تاکید کی ہے۔ حضرت ابراہیمؑ نے جب اپنے صاحبزادے حضرت اسماعیلؑ کو مکہ کی ویران سرزمین میں آباد کیا تو اس کی غرض یہ بتائی کہ:

"اے ہمارے پروردگار تاکہ وہ صلوٰۃ قائم کریں۔"

(سورۃ ابراہیم ۔ ۳۷)

"اے میرے پروردگار مجھ کو میری نسل میں سے لوگوں کو صلوٰۃ قائم کرنے والا بنا۔" (سورۃ ابراہیم ۔ ۴۰)

"اور وہ اپنے اہل و عیال کو صلوٰۃ کا حکم دیتے تھے۔"

(سورۃ مریم ۔ ۵۵)

حضرت لوطؑ' حضرت اسحاقؑ' حضرت یعقوبؑ اوران کی نسل کے پیغمبروں کے متعلق قرآن کہتا ہے:

"اور ہم نے ان کو نیک کاموں کے کرنے اور صلوٰۃ قائم کرنے کی وحی کی۔" (سورۃ انبیاء ۔ ۷۳)

حضرت لقمانؑ نے اپنے لخت جگر کو یہ نصیحت فرمائی:

"اے میرے بیٹے صلوٰۃ قائم کر۔" (سورۃ لقمان ۔ ۱۷)

اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا:

"اور میری یاد کے لئے صلوٰۃ قائم کر۔" (سورۃ طٰہٰ ۔ ۱۴)

حضرت موسیٰ اور ہارون علیہم السلام کو اور ان کے ساتھی بنی اسرائیل کو حکم ہوتا ہے۔

"اور صلوٰۃ قائم کرو۔" (سورۃ یونس ۔ ۷)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام کہتے ہیں:

"اور خدا نے صلوٰۃ کا حکم دیا ہے۔" (سورۃ مریم ۔ ۳۱)

عرب میں بعض یہود اور عیسائی قائم الصلوٰۃ تھے۔ ارشاد ہے:

"اہل کتاب میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جو راتوں کو کھڑے ہو کر خدا کی آیتیں پڑھتے ہیں اور وہ سجدہ کرتے ہیں۔" (سورۃ آل عمران ۔ ۱۱۳)

"اور جو لوگ محکم پکڑتے ہیں کتاب کو اور قائم رکھتے ہیں صلوٰۃ کو ہم ضائع نہیں کرتے اجر نیکی کرنے والوں کے۔" (سورۃ اعراف ۔ ۱۷۰)

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک رات جب آپ ﷺ اعتکاف میں بیٹھے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا "لوگو! نمازی جب نماز میں مشغول ہوتا ہے تو اپنے رب سے سرگوشی کرتا ہے' اس کو جاننا چاہئے کہ وہ کیا عرض معروض کر رہا ہے۔"

نماز اللہ تعالیٰ کی رحمت کے حصول کا ایک ذریعہ ہے۔ آقائے نامدار خاتم النبیین تاجدار دو عالم حضور اکرم ﷺ کا یہ بہت بڑا اعجاز ہے کہ آپ ﷺ

نے اپنی امت کے لئے حصولِ رحمت کا ایک ایسا طریقہ عطا فرمایا جس طریقہ میں انسانی زندگی کی ہر حرکت سمو دی گئی ہے۔ ہم جب نماز کے اندر حرکات وسکنات کا مطالعہ کرتے ہیں تو یہ بات پوری طرح واضح ہو جاتی ہے کہ انسانی زندگی کی کوئی حرکت ایسی نہیں ہے جس کو حضور اکرم ﷺ نے نماز میں شامل نہ کر دیا ہو۔ مثلاً ہاتھ اٹھانا' بلند کرنا' ہاتھ ہلانا' ہاتھ باندھنا' ہاتھوں سے جسم کو چھونا کھڑا ہونا جھکنا لیٹنا بیٹھنا بولنا دیکھنا سننا سر گھما کر ادھر اُدھر دیکھنا۔ غرض زندگی کی ہر حالت نماز کے اندر موجود ہے۔ مقصد واضح ہے کہ انسان خواہ کسی بھی کام میں مصروف ہو یا کوئی بھی حرکت کرے اس کا ذہن اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم رہے اور یہ عمل عادت بن کر اس کی زندگی پر محیط ہو جائے حتیٰ کہ ہر آن' ہر لمحہ اور ہر سانس میں اللہ تعالیٰ کے ساتھ اس کی وابستگی یقینی عمل بن جائے۔

ہم جب نیت باندھتے ہیں تو ہاتھ اوپر اٹھا کر کانوں کو چھوتے ہیں اور پھر اللہ اکبر کہتے ہوئے ہاتھ باندھ لیتے ہیں۔ نماز شروع کرنے سے پہلے یہ بات ہماری نیت میں ہوتی ہے کہ ہم یہ کام اللہ کے لئے کر رہے ہیں۔ نیت کا تعلق دماغ سے ہے یعنی پہلے ہم دماغی اور ذہنی طور پر خود کو اللہ تبارک وتعالیٰ کے حضور پیش کرتے ہیں۔

غور وفکر کا مقام ہے کہ حضور ﷺ نے زندگی میں' وہ تمام حرکات جو انسانوں سے سرزد ہوتی ہیں سب کی سب نماز میں سمو دی ہیں۔ مقصد یہی ہے کہ انسان کچھ بھی کرے کسی بھی حال میں رہے اٹھے بیٹھے جھکے کچھ بولے

اِدھر اُدھر دیکھے' ہاتھ پیر ہلائے' ہر حالت میں اس کا ذہنی تعلق اللہ تعالیٰ کے ساتھ قائم رہے۔ قرآن پاک میں جتنی جگہ نماز کا تذکرہ ہوا ہے وہاں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ قائم کرو صلوٰۃ اور وہ لوگ جو قائم کرتے ہیں صلوٰۃ وغیرہ وغیرہ پر غور کرنا ضروری ہے۔ قرآن پاک میں نماز قائم کرنے کی ہدایت کی گئی ہے۔

نماز مومن کی معراج ہے

حضور اکرم ﷺ کا ارشاد ہے۔ ''نماز مومن کی معراج ہے۔''

معراج دراصل غیبی دنیا کے انکشاف کا متبادل نام ہے۔ سیدنا حضور ﷺ کی معراج کے حالات جب ہم پڑھتے ہیں تو ان تمام حالات سے ہمیں غیب میں بسنے والی دنیا کا شعوری طور پر عرفان حاصل ہوتا ہے۔ حضور ﷺ مسجد اقصیٰ تشریف لے گئے۔ وہاں موجود انبیاء نے حضور ﷺ کی امامت میں نماز ادا کی پھر آسمانوں پر تشریف لے گئے۔ پہلا آسمان دوسرا آسمان تیسرا آسمان چوتھا آسمان پانچواں آسمان چھٹا آسمان ساتواں آسمان اور پھر عرش پر قیام فرمایا۔ آسمانوں میں مقیم حضرات سے ملاقات کی جنت و دوزخ کے حالات حضور ﷺ کے سامنے آئے۔ فرشتوں سے گفتگو ہوئی اور پھر حضور ﷺ کو معراج میں ایسا مقام عطا ہوا کہ جہاں اللہ تعالیٰ اور حضور ﷺ کے درمیان دو کمانوں کا فاصلہ رہ گیا یا اس سے بھی کم۔ اللہ تعالیٰ نے جو چاہا اپنے بندے سے راز و نیاز کی باتیں کیں۔ معراج کے اس لطیف اور پرانوار واقعہ سے یہ

بات سند کے طور پر پیش کی جاسکتی ہے کہ معراج کے معنی اور مفہوم غیب کی دنیا سے روشناسی ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی امت کے لئے نماز کو معراج فرمایا ہے یعنی جب کوئی مومن نماز میں قیام کرتا ہے تو اس کے دماغ میں وہ دریچہ کھل جاتا ہے جس میں سے وہ غیب کی دنیا میں داخل ہوکر وہاں کے حالات سے واقف ہوجاتا ہے۔

یہ بات ذہن نشین رکھنا ضروری ہے کہ حضور ﷺ کی معراج ایک ایسا اعلیٰ مقام ہے جو صرف حضور ﷺ کے لئے مخصوص ہے۔ البتہ مومن پر غیب کی دنیا منکشف ہوجاتی ہے۔

حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ حضور ﷺ کا عمل تھا کہ جب نماز کا وقت ہوجاتا تو ہم سے ایسے لاتعلق ہوجاتے تھے کہ جیسے کوئی شناسائی نہ ہو۔

حضور ﷺ اپنی نماز میں اس قدر قیام فرماتے تھے کہ آپ ﷺ کے پائے مبارک متورم ہوجاتے تھے۔

کتب حدیث میں ہے کہ ایک دفعہ صبح کی نماز کے لئے آپ ﷺ دیر سے تشریف لائے۔ نماز کے بعد لوگوں کو اشارہ کیا کہ اپنی اپنی جگہ بیٹھے رہیں پھر فرمایا کہ آج شب جب میں نے اتنی رکعتیں ادا کیں جتنی میرے لئے مقدر تھیں تو میں غنودگی کے عالم میں چلا گیا۔ میں نے دیکھا کہ جمالِ الٰہی بے پردہ میرے سامنے ہے۔ خطاب ہوا ''یا محمد (ﷺ)! تم جانتے ہو فرشتگان خاص کس امر میں گفتگو کررہے ہیں؟'' عرض کیا ''ہاں، اے میرے رب! ان اعمال کی نسبت گفتگو کررہے ہیں جو گناہوں کو مٹا دیتے ہیں'' پوچھا ''وہ

کیا ہیں؟'' عرض کیا ''صلوٰۃ باجماعت کے لئے قدم اٹھانا اس کے بعد مسجد میں ٹھہر جانا اور ناگواری کے باوجود وضو کرنا جو ایسا کرے گا اس کی زندگی اور موت دونوں میں خیر ہے۔''

نماز دراصل ایسا نظام ہے جو انسان کو اپنی روح سے قریب کردیتا ہے اور جب کوئی بندہ اپنی روح کو جان لیتا ہے تو اس کے سامنے یہ بات آجاتی ہے کہ خود اللہ اس کی رہنمائی کرتا ہے۔ اب آپ اس بات کا اندازہ لگائیے کہ آپ کی ہستی اس وقت کیا ہوتی ہے اور آپ اللہ کے کتنے قریب ہوتے ہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ اس طرزِ عمل میں ہماری ہر تحریک اللہ کی تحریک پر مبنی ہوتی ہے۔

مگر جب مسلمانوں نے نماز کو نماز کی طرح ادا کرنا چھوڑ دیا اور اس مقدس کیمیا اثر عبادت کو ایک رسم بنا لیا تو قدرت نے اس پاداش میں ہم سے ہر قسم کی سرداری اور حاکمیت چھین لی۔ ہماری روح میں حرارت باقی نہ رہی سوز و گداز عجز و انکسار حلم و علم فہم و عقل اور فکر سلیم سے ہم تہی دامن ہوگئے۔ نماز میں ارتکاز توجہ روح کا عرفان دل کا گداز اور اللہ سے دوستی نہ ہو تو ایسی نماز اس جسم کی طرح ہے جس میں روح نہیں ہے۔ اگر ہم اپنی نمازیں اللہ اور اس کے رسول ﷺ کے بتائے ہوئے طریقوں پر ادا کرتے ہیں تو پھر ہماری نمازیں نمازیں کیوں نہیں ہیں ہم ان برکات و انعامات سے کیوں بے بہرہ ہیں جن سے ہمارے اسلاف مالا مال تھے؟

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے کہ بدترین چوری کرنے والا وہ

شخص ہے جو نماز میں چوری کرے۔ صحابہ کرامؓ نے عرض کیا ''یا رسول اللہ ﷺ! نماز میں کس طرح چوری کرے گا؟''

فرمایا '' نماز میں اچھی طرح رکوع و سجدہ نہ کرنا نماز میں چوری ہے۔''

وضو کی سائنس

سائنسی تجربات سے یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ نباتات و جمادات حیوانات اور انسانی زندگی ایک برقی نظام کے تحت رواں دواں ہے۔ انسانی جسم سے حاصل ہونے والی بجلی کی طاقت ایک ٹارچ یا جیبی ریڈیو چلانے کے لئے کافی ہے۔ تحقیق سے ثابت ہوا ہے کہ کسی درخت کے پتے پر مکھی بیٹھ کر اس کے ریشوں کو حرکت دیتی ہے تو اس پتے میں برقی رو دوڑنے لگتی ہے۔

تارپیڈو (Torpedo) مچھلی اپنی برقی قوت سے انسان کو چونکا سکتی ہے۔ اپنی خوراک حاصل کرنے کے لئے ریت میں چھپ جاتی ہے اور جب مچھلیاں پاس آتی ہیں تو اپنے اندر کام کرنے والی برقی رو سے انہیں بیہوش کردیتی ہے۔

افریقہ کے مشہور سیاح کا بیان ہے کہ انہوں نے غصہ میں ایک نیگرو کو مارنا شروع کردیا تو دیکھا کہ جہاں جہاں کوڑا اس کے جسم پر لگا تو وہاں وہاں سے بجلی کے شرارے نکلے۔ یہ بھی ثابت ہوچکا ہے کہ انسان کے جسم میں

سوئی چبھونے اور گرم و سرد پانی میں بھگونے سے ایک ہلکی برقی رو پیدا ہوتی ہے۔ معمولی آواز روشنی ذائقہ اور بو کے احساسات سے بھی انسانی جسم میں برقی رو پیدا ہوتی ہے۔

قدرت کا یہ عجیب سربستہ راز ہے کہ انسان کے اندر بجلی پیدا ہوتی رہتی ہے اور پورے جسم میں سے دوڑ کر پیروں کے ذریعے ارتھ ہوجاتی ہے۔

نماز کے لئے وضو کرنا ضروری ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی بندہ وضو کی نیت کرتا ہے تو روشنیوں کا بہاؤ ایک عام ڈگر سے ہٹ کر اپنی راہ تبدیل کرلیتا ہے۔ وضو کرنے کے ساتھ ساتھ ہمارے اعضاء میں سے برقیے نکلتے رہتے ہیں اور اس عمل سے اعضائے جسمانی کو ایک نئی طاقت اور قوت حاصل ہوتی ہے۔

جب ہم وضو کرنے کے لئے ہاتھوں کو دھوتے ہیں تو انگلیوں کے پوروں میں سے نکلنے والی شعاعیں ایک ایسا حلقہ بنالیتی ہیں جس کے نتیجے میں ہمارے اندر دور کرنے والا برقی نظام تیز ہوجاتا ہے اور برقی رو ایک حد تک ہاتھوں میں سمٹ آتی ہے۔ اس عمل سے ہاتھ خوبصورت ہوجاتے ہیں۔ صحیح طریقہ پر وضو کرنے سے انگلیوں میں ایسی لچک پیدا ہوجاتی ہے جس سے آدمی کے اندر تخلیقی صلاحیتوں کو کاغذ یا کینوس پر منتقل کرنے کی خفتہ صلاحیتیں پیدا ہوجاتی ہیں۔

ہاتھ دھونے کے بعد ہم کلی کرتے ہیں۔ کلی کرنے سے جہاں منہ کی صفائی ہوتی ہے وہاں دانتوں کی بیماریوں سے نجات ملتی ہے۔ جبڑے مضبوط

ہوجاتے ہیں اور دانتوں میں چمک دمک پیدا ہوجاتی ہے۔قوت ذائقہ بڑھ جاتی ہے اور آدمی ٹونسلز کی بیماری سے محفوظ رہتا ہے۔

وضو کرتے وقت حضور ﷺ نے مسواک کی تاکید فرمائی ہے۔

آنحضرتؐ کا ارشاد ہے کہ:

''مسواک منہ کو صاف اور بینائی کو تیز کرتی ہے۔مسواک آدمی کے اندر فصاحت پیدا کرتی ہے۔''

کلی کرنے کے بعد ناک میں پانی ڈالا جاتا ہے۔ ناک انسانی جسم میں ایک نہایت اہم اور قابل توجہ عضو ہے۔ ناک کی زبردست صلاحیت یہ ہے کہ آواز میں گہرائی اور سہانا پن پیدا کرتی ہے۔ ناک کے اندر پردے آواز کی خوبصورتی میں ایک مخصوص کردار ادا کرتے ہیں۔ کاسہ سر کو روشنی فراہم کرتے ہیں۔ ناک کے خاص فرائض میں صفائی کے کام کو بڑا دخل ہے۔ یہ پھیپھڑوں کے لئے ہوا کو صاف مرطوب گرم اور موزوں بناتی ہے ۔ ہر آدمی کے اندر روزانہ تقریباً پانچ سو مکعب فٹ ہوا ناک کے ذریعے داخل ہوتی ہے۔ ہوا کی اتنی بڑی مقدار سے ایک بڑا کمرہ بھرا جاسکتا ہے۔ برف باری کے موسم میں منجمد اور خشک دن آپ برف پوش میدان میں اسکیٹنگ (Skating) شروع کردیں لیکن آپ کے پھیپھڑے خشک ہوا سے کوئی دلچسپی نہیں رکھتے۔ وہ اس کی ایک رتی قبول کرنے کو تیار نہیں ہوتے۔ انہیں اس وقت بھی ایسی ہوا کی ضرورت ہوتی ہے جو گرم اور مرطوب فضا میں ملتی ہے یعنی وہ ہوا جس میں اسی فیصد رطوبت ہو اور جس کا درجہ حرارت نوے درجہ فارن ہائٹ سے زیادہ

ہو۔

پھیپھڑے جراثیم سے پاک دھوئیں یا گردوغبار اور آلودگیوں سے مصفا ہوا طلب کرتے ہیں۔ ایسی ہوا فراہم کرنے والا معمولی ائیرکنڈیشنر (Air Conditioner) ایک چھوٹے ٹرنک کے برابر ہوتا ہے لیکن ناک کے اندر نظام قدرت نے اس کو اتنا مختصر اور مجتمع (Integrated) کر دیا ہے کہ وہ صرف چند انچ لمبا ہے۔

ناک ہوا کو مرطوب بنانے کے لئے تقریباً چوتھائی گیلن نمی روزانہ پیدا کرتی ہے۔ صفائی اور دوسرے سخت کام نتھوں کے بال سرانجام دیتے ہیں۔ ناک کے اندر ایک خوردبینی جھاڑو ہے اس جھاڑو کے اندر غیر مرئی روئیں ہوتے ہیں جو ہوا کے ذریعے معدہ کے اندر پہنچنے والے مضر جراثیم کو ہلاک کر دیتے ہیں۔ جراثیم کو اپنے مشینی انداز میں پکڑنے کے علاوہ ان غیر مرئی روؤں کے پاس ایک اور دفاعی ذریعہ ہے جسے انگریزی میں Lysozium کہتے ہیں۔ اس دفاعی ذریعہ سے ناک آنکھوں کو Infection سے بچاتی ہے۔

جب کوئی نمازی وضو کرتے وقت ناک کے اندر پانی ڈالتا ہے تو پانی کے اندر کام کرنے والی برقی رو ان غیر مرئی روؤں کی کارکردگی کو تقویت پہنچاتی ہے جس کے نتیجے میں وہ بے شمار پیچیدہ بیماریوں سے محفوظ رہتا ہے۔

چہرہ دھونے میں یہ حکمت پوشیدہ ہے کہ اس سے عضلات میں لچک اور چہرہ کی جلد میں نرمی اور لطافت پیدا ہو جاتی ہے۔ گردوغبار سے بند

مسامات کھل جاتے ہیں چہرہ بارونق پرکشش اور بارعب ہو جاتا ہے۔ دورانِ خون کم یا زیادہ ہو تو اس کے اندر اعتدال پیدا ہو جاتا ہے۔ منہ دھوتے وقت جب پانی آنکھوں میں جاتا ہے تو اس سے آنکھوں کے عضلات کو تقویت پہنچتی ہے ڈھیلے میں سفیدی اور پتلی میں چمک غالب آجاتی ہے۔ وضو کرنے والے بندے کی آنکھیں پرکشش خوبصورت اور پرخمار ہو جاتی ہیں۔ چہرہ پر تین بار ہاتھ پھیرنے سے دماغ پرسکون ہو جاتا ہے۔

کہنیوں تک ہاتھ دھونے میں یہ مصلحت پوشیدہ ہے کہ اس عمل سے آدمی کا تعلق براہِ راست سینے کے اندر ذخیرہ شدہ روشنیوں سے قائم ہو جاتا ہے اور روشنیوں کا ہجوم ایک بہاؤ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اس عمل سے ہاتھوں کے عضلات مضبوط اور طاقت ور ہو جاتے ہیں۔

کاسہ سر کے اوپر بال آدمی کے اندر انٹینا(Antenna) کا کام کرتے ہیں۔ یہ بات ہر باشعور شخص جانتا ہے کہ آدمی اطلاعات کے ذخیرے کا نام ہے۔ جب تک اسے کسی عمل کے بارے میں اطلاع نہ ملے وہ کوئی کام نہیں کر سکتا۔ مثلاً کھانا ہم اس وقت کھاتے ہیں جب ہمیں بھوک لگتی ہے' پانی اس وقت پیتے ہیں جب ہمارے اندر پیاس کا تقاضا ہوتا ہے' سونے کے لئے بستر پر اس وقت لیٹتے ہیں جب ہمیں یہ اطلاع ملتی ہے کہ اب ہمارے اعصاب کو آرام کی ضرورت ہے۔ خوشی کے جذبات و احساسات ہمارے اوپر اس وقت مظہر بنتے ہیں جب ہمیں خوشی سے متعلق کوئی اطلاع فراہم کی جاتی ہے۔اسی طرح غیظ وغضب کی حالت کا انحصار بھی اطلاع پر ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ''میں تمہاری رگ جان سے زیادہ قریب ہوں''
یہ رگ جان (حبل الورید) سر اور گردن کے درمیان میں واقع ہے۔ جس کا تعلق ریڑھ کے اندر حرام مغز اور تمام جسمانی جوڑوں سے ہے۔ جب کوئی نمازی گردن کا مسح کرتا ہے تو ہاتھوں کے ذریعے برقی رو نکل کر ریڑھ کی ہڈی کو اپنی گزرگاہ بناتے ہوئے جسم کے پورے اعصابی نظام میں پھیل جاتی ہے جس کے ذریعے اعصابی نظام کو توانائی ملتی ہے۔

جیسا کہ ہم بتا چکے ہیں کہ دماغ اطلاعات قبول کرتا ہے اور یہ اطلاعات لہروں کے ذریعے منتقل ہوتی ہیں اطلاع کی ہر لہر ایک وجود رکھتی ہے۔ وجود کا مطلب متحرک رہنا ہے۔ قانون یہ ہے کہ روشنی ہو یا پانی اس کے لئے بہاؤ ضروری ہے اور بہاؤ کے لئے ضروری ہے کہ اس کا کوئی مظہر بنے اور وہ خرچ ہو۔ جب کوئی بندہ پیر دھوتا ہے تو زائد روشنیوں کا ہجوم (Poison) پیروں کے ذریعے ارتھ(Earth) ہو جاتا ہے اور جسم انسانی زہریلے مادوں سے محفوظ رہتا ہے۔

نیت باندھنا

دماغ میں کھربوں خلیئے کام کرتے ہیں اور خلیوں میں برقی رو دوڑتی رہتی ہے۔ اس برقی رو کے ذریعے خیالات شعور اور تحت الشعور سے گزرتے ہیں' اس سے بہت زیادہ لاشعور میں۔ دماغ میں کھربوں خلیوں کی طرح

کھربوں خانے بھی ہوتے ہیں۔ دماغ کا ایک خانہ وہ ہے جس میں برقی رو فوٹو لیتی رہتی ہے اور تقسیم کرتی رہتی ہے۔ یہ فوٹو بہت ہی زیادہ تاریک ہوتا ہے یا بہت زیادہ چمک دار۔ ایک دوسرا خانہ ہے جس میں کچھ اہم باتیں ہوتی ہیں ان اہم باتوں میں وہ باتیں بھی ہوتی ہیں جن کو شعور نے نظرانداز کر دیا ہے اور جن کو ہم روحانی صلاحیت کا نام دے سکتے ہیں۔ نمازی جب ہاتھ اٹھا کر سر کے دونوں طرف کانوں کی جڑ میں انگوٹھے رکھ کر نیت باندھتا ہے تو ایک مخصوص برقی رو نہایت باریک رگ کو اپنا کنڈنسر بنا کر دماغ میں لے جاتی ہے اور دماغ کے اندر اس خانے کے خلیوں (Cells) کو چارج کر دیتی ہے جس کو شعور نے نظرانداز کر دیا تھا۔ یہ خلیئے چارج ہوتے ہیں تو دماغ میں روشنی کا ایک جھماکا ہوتا ہے اور اس جھماکے سے تمام اعصاب متاثر ہو کر اس خانے کی طرف متوجہ ہو جاتے ہیں جس میں روحانی صلاحیتیں مخفی ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ ہاتھ کے اندر ایک تیز برقی رو دماغ میں سے منتقل ہو جاتی ہے جب کانوں سے ہاتھ ہٹا کر ناف کے اوپر اللہ اکبر کہہ کر باندھے جاتے ہیں تو ہاتھوں کے کنڈنسر سے ناف (ذیلی جنریٹر) میں بجلی کا ذخیرہ ہو جاتا ہے۔

خواتین نیت کے بعد جب سینہ پر ہاتھ باندھتی ہیں تو دل کے اندر صحت بخش حرارت منتقل ہوتی ہے اور وہ غدود نشوونما پاتے ہیں جن کے اوپر بچوں کی غذا کا انحصار ہے۔ نماز قائم کرنے والی ماؤں کے دودھ میں یہ تاثیر پیدا ہو جاتی ہے کہ بچوں کے اندر براہِ راست انوار کا ذخیرہ ہوتا رہتا ہے جس سے ان کے اندر ایسا پیٹرن (Pattern) بن جاتا ہے جو بچوں کے شعور کو

خوش رہنے کی عادت ڈالتی ہے۔ نمازی ماؤں کے بچوں کے اندر گہرائی میں تفکر کرنے اور لطیف سے لطیف تر معانی پہنانے اور سمجھ بوجھ کی صلاحیتیں روشن ہو جاتی ہیں۔

نمازی جب رکوع میں جھکتا ہے تو حسیں (Senses) بنانے کا فارمولا الٹ جاتا ہے یعنی حواس براہ راست دماغ کے اندرونی رخ کے تابع ہو جاتے ہیں اور دماغ یکسو ہو کر ایک نقطہ پر اپنی لہریں منعکس کرنا شروع کر دیتا ہے۔ رکوع کے بعد جب نمازی قیام کرتا ہے تو دماغ کے اندر کی روشنیاں دوبارہ پورے اعصاب میں تقسیم ہو جاتی ہیں جس سے انسان سراپا نور بن جاتا ہے۔

رکوع میں اس قدر جھکیں کہ سر اور ریڑھ کی ہڈی متوازی رہے' نگاہیں پیر کے انگوٹھوں کے ناخن پر مرکوز رہیں' ہاتھ دونوں گھٹنوں پر اس طرح رکھیں کہ ٹانگوں میں تناؤ رہے۔ سبحان ربی العظیم تین بار' پانچ بار یا سات بار کہہ کر اس طرح کھڑے ہوں جیسے کوئی فوجی اٹینشن (Attention) ہوتا ہے۔

رکوع میں نمازی ہاتھ کی انگلیوں سے جب گھٹنوں کو پکڑتا ہے تو ہتھیلیوں اور انگلیوں کے اندر کام کرنے والی بجلی گھٹنوں میں جذب ہو جاتی ہے جس کی وجہ سے گھٹنوں کے اندر صحتمند لعاب برقرار رہتا ہے اور ایسے لوگ گھٹنوں اور جوڑوں کے درد سے محفوظ رہتے ہیں۔

روشنی ایک لاکھ چھیاسی ہزار دوسو بیاسی (۱۸۶۲۸۲) میل فی سیکنڈ کی رفتار سے سفر کرتی ہے اور زمین کے گرد ایک سیکنڈ میں آٹھ دفعہ گھوم جاتی ہے۔ جب نمازی سجدہ کی حالت میں زمین پر سر رکھتا ہے تو اس کے دماغ کے اندر کی روشنیوں کا تعلق زمین سے مل جاتا ہے اور ذہن کی رفتار ایک لاکھ چھیاسی ہزار دوسو بیاسی میل فی سیکنڈ ہو جاتی ہے۔ دوسری صورت یہ واقع ہوتی ہے کہ دماغ کے اندر زائد خیالات پیدا کرنے والی بجلی براہِ راست زمین میں جذب (earth) ہو جاتی ہے اور بندہ لاشعوری طور پر کشش ثقل (Gravity) سے آزاد ہو جاتا ہے اور اس کا براہِ راست تعلق خالق کائنات سے ہو جاتا ہے۔ روحانی قوتیں اس حد تک بحال ہو جاتی ہیں کہ آنکھوں کے سامنے سے پردہ ہٹ کر اس کے سامنے غیب کی دنیا آجاتی ہے۔

جب نمازی فضا اور ہوا کے اندر سے روشنیاں لیتا ہوا سر ناک گھٹنوں ہاتھوں اور پیروں کی بیس انگلیاں قبلہ رخ زمین سے ملا دیتا ہے یعنی سجدے میں چلا جاتا ہے تو جسم اعلیٰ کا خون دماغ میں آجاتا ہے اور دماغ کو تغذیہ فراہم کرتا ہے۔ کیمیائی تبدیلیاں پیدا ہو کر انتقال خیال (Telepathy) کی صلاحیتیں اجاگر ہو جاتی ہیں۔

دعا

نبی کریم ﷺ کا ارشادگرامی ہے:

''تم میں سے جس شخص کو دعا مانگنے کی توفیق مل گئی تو یوں سمجھو گویا اس کے اوپر رحمت کے دروازے کھل گئے۔''

''دعا کے سوا کوئی چیز تقدیر کے فیصلے میں ترمیم نہیں کرا سکتی اور نیکی کے سوا کوئی چیز عمر کو نہیں بڑھاتی۔''

''دعا عبادت کا مغز ہے' مومن کا ہتھیار ہے' دین کا ستون ہے اور آسمان و زمین کا نور ہے۔''

نماز کے بعد دعا کرتے وقت اس بات کا مراقبہ (تصور قائم) کریں کہ میں عرش کے نیچے اپنے خالق کے آگے ہاتھ پھیلائے ہوئے ہوں جو اتنا بڑا اور عظیم ہے کہ اگر اس سے روزانہ ایک لاکھ خواہشیں بھی کی جائیں تو وہ انہیں پوری کرنے پر قدرت رکھتا ہے۔ دعاؤں کو بار بار دہرانے سے دل میں گداز پیدا ہوتا ہے' ایسا گداز جو آنکھوں کے راستے بہہ نکلتا ہے اور اللہ رب العزت کو اپنے بندوں کے آنسو بہت عزیز ہیں۔

نماز میں اوقات کی حکمت

فجر کی نماز:

پس اللہ کی تسبیح بیان کرو سورج نکلنے سے پہلے اور سورج غروب ہونے سے پہلے اور رات ہونے پر اور دن کے کناروں پر۔ (القرآن)

فجر کی نماز ادا کرنے والا بندہ دوسری تمام مخلوق کے ساتھ جب

عبادت اور تسبیح میں مشغول ہوتا ہے تو دنیا کا پورا ماحول مصفّٰی مجلّٰی اور پرانوار ہو جاتا ہے اور ماحول کی اس پاکیزگی سے انسان کو روحانی اور جسمانی صحت نصیب ہوتی ہے۔

ظہر کی نماز:

صبح سے دوپہر تک آدمی اپنی معاش کے حصول یا زندگی کو قائم رکھنے کے لئے خوردونوش کے انتظام میں لگا رہتا ہے۔ اعصاب تھک جاتے ہیں اور جسم نڈھال ہو جاتا ہے۔ جسمانی تقاضوں کے لئے کام پورا کرنے کے بعد جب آدمی وضو کرتا ہے تو اس کے اوپر سے تھکن دور ہو جاتی ہے اور پھر جب وہ نماز قائم کرتا ہے تو اس کو روحانی غذا فراہم ہوتی ہے اور اس کے اوپر سرور و کیف کی ایک دنیا روشن ہو جاتی ہے۔

سورج کی تمازت ختم ہو کر جب زوال شروع ہوتا ہے تو زمین کے اندر سے ایک گیس خارج ہوتی ہے۔ یہ گیس اس قدر زہریلی ہوتی ہے کہ اگر آدمی کے اوپر اثرانداز ہو جائے تو وہ قسم قسم کی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ دماغی نظام اس حد تک درہم برہم ہوسکتا ہے کہ اس کے اوپر ایک پاگل آدمی کا گمان ہوتا ہے۔ جب کوئی بندہ ذہنی طور پر عبادت میں مشغول ہوجاتا ہے تو اس نماز کی نورانی لہریں اس زہرناک گیس سے محفوظ رکھتی ہیں ان نورانی لہروں سے یہ زہریلی گیس بے اثر ہوجاتی ہے۔

عصر کی نماز:

زمین دو طرح چل رہی ہے ایک گردش ہے محوری اور دوسری طولانی۔ زوال کے بعد زمین کی گردش میں کمی واقع ہو جاتی ہے اور پھر رفتہ رفتہ یہ گردش کم ہوتی چلی جاتی ہے۔ عصر کے وقت تک یہ گردش اتنی کم ہو جاتی ہے کہ حواس کے اوپر دباؤ پڑنے لگتا ہے۔ انسان، حیوان، چرند و پرند سب کے اوپر دن کے حواس کی بجائے رات کے حواس کا دروازہ کھلنا شروع ہو جاتا ہے اور شعور مغلوب ہونے لگتا ہے۔

ہر ذی فہم انسان اس بات کو محسوس کرتا ہے کہ عصر کے وقت اس کے اوپر ایسی کیفیت طاری ہوتی ہے جس کو وہ تکان اور اضمحلال کا نام دیتا ہے۔ یہ تکان اور اضمحلال شعوری حواس پر لاشعوری حواس کی گرفت کا نتیجہ ہوتا ہے۔ عصر کی نماز شعور کو اس حد تک مضمحل ہونے سے روک دیتی ہے جس سے دماغ پر خراب اثرات مرتب ہوں۔ وضو اور عصر کی نماز قائم کرنے والے بندے کے شعور میں اتنی طاقت آجاتی ہے کہ وہ لاشعوری نظام کو آسانی سے قبول کر لیتا ہے اور اپنی روح سے قریب ہو جاتا ہے۔ دماغ روحانی تحریکات قبول کرنے کے لئے تیار ہوجاتا ہے۔

مغرب کی نماز:

آدمی بالفعل اس بات کا شکر ادا کرتا ہے کہ اسے اللہ تعالیٰ نے رزق عطا فرمایا۔ ایسا گھر اور بہترین رفیقہ حیات عطا کی جس نے اس کی اور اس کے بچوں کی غذائی ضروریات پوری کیں۔ شکر کے جذبات سے وہ مسرور اور خوش وخرم اور پرکیف ہوجاتا ہے۔ اس کے اندر خالقِ کائنات کی وہ صفات متحرک ہو جاتی ہیں جن کے ذریعے کائنات کی تخلیق ہوئی ہے۔ جب وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ پرسکون ذہن سے محو گفتگو ہوتا ہے تو اس کے اندر کی روشنیاں بچوں میں براہِ راست منتقل ہوتی ہیں اور ان روشنیوں سے اولاد کے دل میں ماں باپ کا احترام اور وقار قائم ہوتا ہے۔ بچے غیر ارادی طور پر ماں باپ کی عادتوں کو تیزی کے ساتھ اپنے اندر جذب کرتے ہیں اور ان کے اندر ماں باپ کی حمیت وعشق کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ مختصر یہ کہ مغرب کی نماز صحیح طور پر اور پابندی کے ساتھ ادا کرنے والے بندے کی اولاد سعادت مند ہوتی ہے اور ماں باپ کی خدمت کرتی ہے۔

عشاء کی نماز:

عشاء کی نماز غیب سے متعارف ہونے اور اللہ تعالیٰ کا عرفان حاصل کرنے کا ایک خصوصی پروگرام ہے کیونکہ عشاء کے وقت آدمی رات کے حواس

میں داخل ہو جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ روحانی تعلیم وتربیت کے اسباق اور اورادو وظائف عشاء کی نماز کے بعد پورے کئے جاتے ہیں اس لئے کہ جب آدمی رات کے حواس میں ہوتا ہے تو وہ لاشعوری اور روحانی طور پر غیب کی دنیا سے قریب اور بہت قریب ہو جاتا ہے اور اس کی دعائیں قبول کر لی جاتی ہیں۔ عشاء کی نماز اس نعمت کا شکریہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اسے بیداری کے حواس سے نجات عطا فرما کر وہ زندگی عطا فرما دی ہے جو نافرمانی کے ارتکاب سے پہلے جنت میں حضرت آدمؑ کو حاصل تھی یہی وہ حواس ہیں جن میں آدمی خواب دیکھتا ہے اور خواب کے ذریعے اس کے اوپر مسائل، مشکلات اور بیماریوں سے محفوظ رہنے کا انکشاف ہوتا ہے۔ خواب کی تعبیر سے وہ مستقبل میں پیش آنے والی مصیبتوں سے محفوظ و مامون رہتا ہے۔ عشاء کی نماز ادا کرنے کے بعد سونے والے بندے کی پوری رات لاشعوری طور پر عبادت میں گزرتی ہے اور اس کے اوپر اللہ کی رحمت نازل ہوتی رہتی ہے ایسے بندے کے خواب سچے اور بشارت پر مبنی ہوتے ہیں۔

تہجد کی نماز:

کچھ وقفہ نیند لینے کے بعد آدمی بیدار ہو جائے تو اس کا شعور اس قابل ہو جاتا ہے کہ وہ غیبی تحریکات کو آسانی سے قبول کر لیتا ہے۔ فجر کی نماز اللہ تعالیٰ کے ساتھ رابطہ قائم کرنے کی پہلی سیڑھی ہے اور تہجد کی نماز خالق

کائنات سے قریب ہونے کی آخری سیڑھی ہے۔ یہی صورت الصلوٰۃ معراج المومنین ہے۔ تہجد کی نفلیں ادا کرنے والا بندہ آسمانوں کی سیر کرتا ہے' فرشتوں اور جنات کی دنیا اس کے سامنے آ جاتی ہے۔ تہجد کی نماز ایک پروگرام ہے اس بات کے لئے کہ انسان اپنے خالق کو جان لے پہچان لے اور اس کے قریب ہو جائے۔

نمازِ جمعہ:

جمعہ کی نماز ایک اجتماعی پروگرام ہے تا کہ مسلمان اجتماعی طور پر آپس میں بھائی چارہ قائم کر کے ایک دوسرے کے کام آ سکیں اور اجتماعی مسائل سے واقفیت حاصل کر کے ان کے تدراک کی کوشش کریں۔ بڑوں کو دیکھ کر بچوں کے اوپر یہ تاثر قائم ہو کہ ہر مسلمان اگرچہ شکل وصورت کے اعتبار سے الگ الگ نظر آتا ہے لیکن فی الواقع سب ایک ہی زنجیر کی کڑیاں ہیں اور اسلام ایک مضبوط رسی ہے جس کو متحد اور باہم مل کر ہم سب پکڑے ہوئے ہیں۔ ہم کندھے سے کندھا ملا کر ایک ہی صف میں اس لئے کھڑے ہیں کہ ہمارے اندر کوئی اختلاف نہیں ہے۔

نماز میں خیالات اور وسوسوں سے محفوظ رہنے کے لئے وضو کرنے کے بعد آرام دہ نشست سے قبلہ رخ بیٹھ کر تین دفعہ درود شریف' تین بار استغفار پڑھیں اور ایک منٹ سے پانچ منٹ تک جتنا وقت ہو آنکھیں بند کر

کے یہ تصور کریں کہ:

''اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔''

اس کے بعد نیت کر کے نماز قائم کریں۔

نماز اور جسمانی صحت

ورزشیں نہ صرف اندرونی اعضاء مثلاً دل گردے جگر پھیپھڑے دماغ آنتوں معدہ ریڑھ کی ہڈی گردن سینہ اور تمام اقسام کے غدود(Glands) کی نشوونما کرتی ہیں بلکہ جسم کو بھی سڈول اور خوبصورت بناتی ہیں۔ یہاں تک کے کچھ ورزشیں ایسی بھی ہیں جن سے عمر میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ ایسی ورزشیں بھی ہیں جن کے ذریعے آدمی غیر معمولی طاقت کا مالک بن جاتا ہے اور ایسی بھی ہیں جن سے چہرے کے نقش و نگار خوبصورت اور حسین نظر آنے لگتے ہیں۔ بڑی عمر کا آدمی ہر ورزش نہیں کر سکتا لیکن نماز ایک ایسا عمل ہے جس پر ہر بندہ آسانی کے ساتھ عمل پیرا ہو سکتا ہے۔ عمر کے ساتھ ساتھ آدمی کی وریدیں (Veins) شریانیں(Arteries) اور عضلات کی طاقت کم ہو جاتی ہے اوران کے اندر ایسے مادے پیدا ہو جاتے ہیں جن کی وجہ سے بیشمار امراض لاحق ہونے لگتے ہیں مثلاً گٹھیا عرق النساء امراض قلب ہائی بلڈ پریشر اور بیشمار دوسرے دماغی امراض۔ ان بیشمار بیماریوں سے نجات پانے کے لئے

نماز ہمارے لئے قدرت کا ایک بہترین علاج ہے۔

ہم یہ بات جان چکے ہیں کہ ہمارے پیارے نبی ﷺ نے نماز ادا کرنے کے طریقے میں وہ سب سمو دیا ہے جس کی امت مسلمہ اور نوع انسانی کو ضرورت ہے۔ خواہ وہ ذہنی یکسوئی ہو آلام و مصائب سے نجات پانا ہو غیب کی دنیا میں سفر ہو اللہ تعالیٰ کا عرفان حاصل کرنا ہو یا جسمانی صحت ہو نماز مجموعہ اوصاف و کمال ہے۔ آیئے تلاش کریں کہ نماز اور ہماری صحت کا آپس میں کیا تعلق ہے؟

ہائی بلڈ پریشر کا علاج صلوٰۃ قائم کرنے کے لئے ہم سب سے پہلے وضو کا اہتمام کرتے ہیں۔ وضو کے دوران جب ہم اپنا چہرہ اور کہنیوں تک ہاتھ دھوتے ہیں' پیروں اور سر کا مسح کرتے ہیں تو ہمارے اندر دوڑنے والے خون کو ایک نئی زندگی ملتی ہے۔ جس سے ہمیں سکون ملتا ہے اس تسکین سے ہمارا سارا اعصابی نظام متاثر ہوتا ہے۔ پرسکون اعصاب سے دماغ کو سکون ملتا ہے' اعضائے رئیسہ سر پھیپھڑے دل اور جگر وغیرہ کی کارکردگی بحال ہوتی ہے۔ ہائی بلڈ پریشر کم ہو کر نارمل ہو جاتا ہے۔ چہرے پر رونق اور ہاتھوں میں رعنائی اور خوبصورتی آ جاتی ہے۔ وضو کرنے سے اعصاب کا ڈھیلا پن ختم ہو جاتا ہے۔ آنکھیں پرکشش ہوجاتی ہیں۔ سستی اور کاہلی دور ہو جاتی ہے۔ آپ کبھی بھی تجربہ کر سکتے ہیں۔ ہائی بلڈ پریشر کے مریض کو وضو کرائیں بلڈ پریشر کم ہو جائے گا۔

گھٹیا کا علاج جب ہم وضو کرنے کے بعد نماز کے لئے کھڑے ہوتے ہیں تو پہلے ہمارا جسم ڈھیلا ہوتا ہے لیکن جب نماز کی نیت کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں تو قدرتی طور پر جسم میں تناؤ پیدا ہو جاتا ہے۔ اس حالت میں آدمی کے اوپر سے سفلی جذبات کا زور ٹوٹ جاتا ہے۔ سیدھے کھڑے ہونے میں ام الدماغ سے روشنیاں چل کر ریڑھ کی ہڈی سے ہوتی ہوئی پورے اعصاب میں پھیل جاتی ہیں۔ یہ بات سب جانتے ہیں کہ جسمانی صحت کے لئے ریڑھ کی ہڈی کو ایک ممتاز مقام حاصل ہے اور عمدہ صحت کا دارومدار ریڑھ کی ہڈی کی لچک پر ہے۔

نماز میں قیام کرنا گھٹنوں ٹخنوں اور پیروں سے اوپر پنڈلیوں پنجوں اور ہاتھ کے جوڑوں کو قوی کرتا ہے۔ گھٹیا کے درد کو ختم کرتا ہے لیکن شرط یہ ہے کہ جسم سیدھا رہے اور ٹانگوں میں خم واقع نہ ہو۔

جگر کے امراض جھک کر رکوع میں دونوں ہاتھ اس طرح گھٹنوں پر رکھے جائیں کہ کمر بلکل سیدھی رہے اور گھٹنے جھکے ہوئے نہ ہوں۔ اس عمل سے معدے کو قوت پہنچتی ہے نظامِ ہضم درست ہوتا ہے قبض دور ہوتا ہے معدے کی دوسری خرابیاں نیز آنتوں اور پیٹ کے عضلات کا ڈھیلا پن ختم ہو جاتا ہے۔ رکوع کا عمل جگر اور گردوں کے افعال کو درست کرتا ہے۔ اس عمل سے کمر اور پیٹ کی چربی کم ہو جاتی ہے۔ خون کا دوران تیز ہوجاتا ہے چونکہ دل اور سر ایک سیدھ میں ہوجاتے ہیں اس لئے دل کے لئے خون کو سر کی

طرف پمپ (Pump) کرنے میں آسانی ہو جاتی ہے اور اس طرح دل کا کام کم ہو جاتا ہے اور اسے آرام ملتا ہے جس سے دماغی صلاحیتیں اجاگر ہونے لگتی ہیں۔

اگر تسبیح سبحان ربی العظیم پر غور کر کے تین سے سات بار تک پڑھی جائے تو مراقبہ کی سی کیفیت پیدا ہونے لگتی ہے۔ دوران رکوع ہاتھ چونکہ نیچے کی طرف ہوتے ہیں اس لئے کندھوں سے لے کر ہاتھ کی انگلیوں تک پورے حصے کی ورزش ہو جاتی ہے جس سے بازو کے پٹھے(Museles)طاقتور ہو جاتے ہیں اور جو فاسد مادے بڑھاپے کی وجہ سے جوڑوں میں جمع ہوتے ہیں' از خود خارج ہو جاتے ہیں۔

پیٹ کم کرنے کے لئے رکوع کے بعد سیدھے کھڑے ہو کر ہم سجدے میں جاتے ہیں سجدے میں جانے سے پہلے ہاتھ زمین پر رکھے جاتے ہیں' یہ عمل ریڑھ کی ہڈی کو مضبوط اور لچک دار بناتا ہے اور خواتین کے اندرونی اعصاب کو تقویت بخشتا ہے۔ اگر رکوع کے بعد سجدے میں جانے کی حالت میں جلدی نہ کی جائے تو یہ اندرونی جسمانی اعضاء کے لئے ایک نعمت غیر مترقبہ ورزش ثابت ہوتی ہے۔

سجدہ کی حالت ایک ورزش ہے جو رانوں کے زائد گوشت کو گھٹاتی ہے اور جو جوڑوں کو کھولتی ہے۔ اگر کولہوں کے جوڑوں میں خشکی آجائے یا چکنائی کم ہو جائے تو اس عمل سے یہ کمی پوری ہو جاتی ہے اور بڑھا ہوا پیٹ کم

ہو جاتا ہے۔ متناسب پیٹ سے جسم سڈول اور خوب صورت لگتا ہے۔

السر کا علاج جن لوگوں کے معدے میں جلن رہتی ہے اور زخم(Ulcer) ہوتا ہے صحیح سجدے کے عمل سے یہ مرض ختم ہو جاتا ہے۔ سجدہ میں پیشانی زمین پر رکھی جاتی ہے اس عمل سے دماغ زمین کے اندر دوڑنے والی برقی رو سے براہِ راست ہم رشتہ ہو جاتا ہے اور دماغ کی طاقت میں کئی گنا اضافہ ہو جاتا ہے۔

جملہ دماغی امراض خشوع و خضوع کے ساتھ دیر تک سجدہ کرنا دماغی امراض کا علاج ہے۔ دماغ اپنی ضرورت کے مطابق خون سے ضروری اجزاء حاصل کر کے فاسد مادوں کو خون کے ذریعے گردوں کو واپس بھیج دیتا ہے تاکہ گردے انہیں پیشاب کی شکل میں باہر نکال دیں۔ سجدہ سے اٹھتے وقت اس بات کا خاص خیال رکھا جائے کہ سر جھکا ہوا اور بازو سیدھے رہیں اور ان میں قدرے تناؤ ہو۔ اٹھتے وقت ران پر ہتھیلیاں بھی رکھیں' کمر کو کُب کی طرح اوپر اٹھائیں اور آہستہ سے کھڑے ہو جائیں یا بیٹھ جائیں۔

چہرہ پر جھریاں ریڑھ کی ہڈی میں حرام مغز بجلی کا ایک ایسا تار ہے جس کے ذریعے پورے جسم کو حیات ملتی ہے۔ سجدہ کرنے سے خون کا بہاؤ جسم کے اوپری حصوں کی طرف ہو جاتا ہے جس سے آنکھیں دانت اور پورا چہرہ سیراب ہوتا رہتا ہے اور رخساروں پر سے جھریاں دور ہو جاتی ہیں یاداشت صحیح کام کرتی ہے فہم و فراست میں اضافہ ہو جاتا ہے۔ آدمی کے اندر

تفکر کرنے کی عادت پڑ جاتی ہے بڑھاپا دیر تک نہیں آتا۔ سو سال کی عمر تک بھی آدمی چلتا پھرتا رہتا ہے اور اس کے اندر ایک برقی رو دوڑتی رہتی ہے جو اعصاب کو تقویت پہنچانے کا سبب بنتی ہے۔ صحیح طریقہ پر سجدہ کرنے سے بند نزلہ ثقل سماعت اور سر درد جیسی تکلیفوں سے نجات مل جاتی ہے۔

جنسی امراض دونوں سجدوں کے درمیان بیٹھنا (جلسہ) گھٹنوں اور پنڈلیوں کو مضبوط بناتا ہے۔ اس کے علاوہ رانوں میں جو پٹھے اللہ تعالیٰ نے نسل کشی کے لئے بنائے ہیں ان کو ایک خاص قوت عطا کرتا ہے جس سے مردانہ اور زنانہ کمزوریاں دور ہو جاتی ہیں تا کہ انسان کی نسلیں دماغی اور جسمانی اعتبار سے صحت مند پیدا ہوں۔

سینہ کے امراض نماز کے اختتام پر ہم سلام پھیرتے ہیں۔ گردن پھیرنے کے عمل سے گردن کے عضلات کو طاقت ملتی ہے اور وہ امراض جن کا تعلق ان عضلات سے ہے لاحق نہیں ہوتے اور انسان ہشاش بشاش اور توانا رہتا ہے نیز سینہ اور ہنسلی کا ڈھیلا پن ختم ہو جاتا ہے۔ سینہ چوڑا اور بڑا ہو جاتا ہے۔ ان سب ورزشوں کا فائدہ اس وقت پہنچتا ہے جب ہم پوری توجہ اور دل جمعی اور اس کے پورے آداب کے ساتھ نماز قائم کریں اور جلد بازی سے کام نہ لیں۔

حضرت مریمؑ

قرآن کا نزول چھٹی صدی عیسوی میں ہوا۔ قرآن پاک میں جو کچھ بیان ہوا ہے اس کا بڑا حصہ توریت اور انجیل میں بھی بیان ہو چکا ہے۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد گرامی ہے۔

’’میں کوئی نئی بات نہیں کہہ رہا ہوں۔ مجھ سے پہلے میرے بھائی پیغمبران علیہم الصلوٰۃ والسلام نے جو کچھ فرمایا ہے وہی میں بھی تمہیں بتا رہا ہوں‘‘۔

اسلام نے آسمانی کتابوں کو برحق جانا ہے۔ ایمان کی تعریف ہی یہ ہے کہ محمد رسول اللہ ﷺ پر ایمان لایا جائے۔ آسمانی کتابوں پر یقین کیا

جائے۔ پیغمبروں پر ایمان لایا جائے۔ یوم آخرت پر ایمان ہو۔ خیر و شر کی تقدیرات پر یقین ہو۔ اسلام تمام انبیاء کو برحق مانتا ہے۔ جس طرح قرآن پاک میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی پیدائش کو کرامت کہا گیا ہے اسی طرح انجیل میں بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت قدرت کا ایک کراماتی عمل ہے۔ جس طرح انجیل میں حضرت مریم علیہ السلام کو ایک خاص مقام حاصل ہے اسی طرح قرآن میں بھی حضرت مریم علیہ السلام کا اپنا ایک منفرد مقام ہے۔ یہاں تک کہ قرآن کی ایک سورہ کا نام مریم ہے۔

انگلینڈ کے ایک شہر نیلسن میں ایک پادری صاحب میرے پاس تشریف لائے۔ انہوں نے اپنا تعارف یہ کرایا کہ میں ایمان رکھتا ہوں کہ عیسیٰ علیہ السلام ہمارے لئے کفارہ بن گئے ہیں اور صلیب پر چڑھ کر **Jesus** نے ہمارے گناہوں کا کفارہ ادا کردیا ہے۔

میں نے ان سے پوچھا۔

"پادری صاحب! جب مسیح نے آپ کے لئے جان صلیب کی نذر کردی تو آپ کے اوپر بھی ان کے حقوق عائد ہوتے ہیں"۔

انہوں نے کہا!.............. ہاں۔

میں بائیس سال سے مسیح کی تعلیمات کی تبلیغ کررہا ہوں۔

میں نے کہا! جناب تبلیغ تو وہ بھی کررہے ہیں جو پادری نہیں ہیں۔ پادری ہونے کی حیثیت سے آپ کے اوپر یہ فرض ہے کہ آپ مسیح کو دیکھ کر ان سے عیسائیت کے علوم حاصل کریں۔.....پادری صاحب ایک دم آپے

سے باہر ہوگئے۔ کہنے لگے یہ کیسے ہوسکتا ہے۔ میں اپنے انر میں **Jesus** کو محسوس کرتا ہوں۔

میں نے کہا، جناب محسوس تو بہت ساری باتیں کی جاتی ہیں لیکن محض محسوساتی باتوں کو حقیقت نہیں کہا جاتا۔

پادری صاحب! آپ بائیس سال سے مسیح کے نام پر ایک خوبصورت آرام دہ عمارت (گرجا) میں رہتے ہیں۔ چرچ آپ کی ضروریات پوری کرتا ہے۔ اس کے باوجود آپ صرف محسوساتی زندگی کے خول میں بند ہیں؟ ہم مسلمان بھی حضرت عیسیٰ علیہ السلام ابن مریم علیہ السلام کو مانتے ہیں۔ نہ صرف مانتے اور محسوس کرتے ہیں بلکہ دیکھتے بھی ہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات سے ان کا علم بھی سیکھتے ہیں۔

پادری صاحب غصہ سے آگ بگولہ ہوگئے اور بڑے ہی دل آزار لہجے میں بولے، یہ نہیں ہوسکتا۔

میں نے عرض کیا، ایسا ہوتا ہے اور اگر آپ چاہیں تو آپ بھی مسیح کی روح سے ملاقات کرسکتے ہیں۔ کچھ دیر خاموش بیٹھے رہے اور یہ کہہ کر چلے گئے:

This Man is Master in Spiritualism.

ایک اور عیسائی بزرگ سے ملاقات ہوئی۔ اسلام اور عیسائیت پر گفتگو ہوئی تو میں نے ان سے عرض کیا۔ جناب! ہم عیسائیوں کی نسبت

حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور حضرت مریم علیہ السلام کو زیادہ فضیلت دیتے ہیں۔ ہمارے قرآن میں ایک **chapter** کا نام ہی **Marry** ہے۔ وہ اصرار کرتے رہے کہ ایسا نہیں ہوسکتا۔ میں جس مسلمان گھر میں مقیم تھا ان سے کہا قرآن کا انگریزی ترجمہ لے آئیں لیکن وہاں تاج کمپنی کے علاوہ دوسرا قرآن نہیں تھا۔ اس طرح میری بات کا وزن قائم نہیں ہوسکا۔

برمنگھم میں دو پادری خواتین (**Nuns**) آئیں اور تبلیغ شروع کردی۔ میں نے ان سے پوچھا۔ اس وقت مسیح کہاں ہیں۔ ان کا جسم جو صلیب سے اتارا گیا تھا کہاں ہے؟

بولیں! مسیح کہاں نہیں ہیں؟

میں نے پوچھا، نظر کیوں نہیں آتے۔

کہنے لگیں۔ روح بھی کہیں نظر آتی ہے۔

میں نے پوچھا۔ تم کیا ہو؟

وہ خاموش ہوگئیں۔ بات آگے بڑھی تو ہم اس نتیجہ پر پہنچے کہ مرنے کے بعد روح روح کو دیکھتی ہے۔ میں نے کہا! اگر تم اپنی روح سے واقفیت حاصل نہیں کروگی تو مسیح کو نہیں دیکھ سکوگی۔ بدمزہ سا منہ بنا کر تنک کر بولیں۔ ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہم آپ کی باتیں سنیں۔ میں نے کہا سسٹر! میں بھی کوئی بیکار آدمی نہیں ہوں مجھے کیا ضرورت ہے کہ تمہاری غیر حقیقی باتوں میں اپنا وقت برباد کروں۔ آپ میری بات سنیں گی میں آپ کی بات سنوں گا۔ انہیں جیسے کرنٹ لگ گیا اور تیزی کے ساتھ دونوں گھر سے باہر نکل گئیں۔

نیویارک میں ایک لڑکی آئی۔ بولی، آپ بزرگ (**Saint**) ہیں۔ میں یقین رکھتی ہوں کہ **Jesus** خدا کا بیٹا (**Son of God**) ہیں۔ میں نے کہا ٹھیک ہے، میں کہہ سکتا ہوں کہ **Marry** (حضرت مریم علیہ السلام) خدا کی بیوی (**Wife of God**) ہیں۔ وہ غصہ سے لال پیلی ہوگئی اور مجھے برا بھلا کہنا شروع کردیا۔ میں نے نہایت نرم لہجے اور محبت سے کہا۔ تم میری بیٹی کے برابر ہو۔ بات کو غصہ سے نہیں نرمی اور پیار سے سمجھنے کی کوشش کرو، ''جب اللہ کا کوئی بیٹا ہوسکتا ہے تو اللہ کی بیوی بھی ہوسکتی ہے''۔

وہ بہت دلبرداشتہ ہوکر چلی گئی اور ایک ہفتے بعد دوبارہ واپس آئی۔

کہا' میں نے کئی پادریوں سے یہی سوال کیا۔

جب خدا کا بیٹا ہوسکتا ہے تو خدا کی بیوی کیوں نہیں ہوسکتی؟

وہ لوگ مجھے مطمئن نہیں کر سکے۔ اب میں مسلمان ہونا چاہتی ہوں لیکن چند شرائط ہیں۔

۱) میری ماں بوڑھی ہے میں اسے نہیں بتاؤں گی کہ میں مسلمان ہوں اس لئے کہ وہ اس خبر سے مرجائے گی۔

۲) میں برقعہ نہیں اوڑھوں گی۔ مسلمان پادری کہتے ہیں کہ برقعہ اوڑھنا ضروری ہے جب کہ یہاں مسلمان خواتین کھلے سر پھرتی ہیں۔

مغربی دنیا کا ایک اور واقعہ سن لیجئے۔ ایک کثیرالاشاعت اخبار کی نمائندہ آئی۔ مجھ سے انٹرویو کیا۔ پہلے رنگوں کے اوپر بات ہوئی کہ رنگ ہی

ساری کائنات کی اصل ہیں اور رنگوں کے امتزاج سے کائنات میں نوعوں کا وجود قائم ہے۔ قصہ مختصر وہ بظاہر بہت متاثر ہو کر گئی اور کہا رنگوں کی یہ عجیب و غریب تھیوری ہم آئندہ بدھ کو اخبار میں شائع کریں گے۔ بات ایڈیٹر سے ڈائریکٹر تک پہنچی پھر بورڈ بیٹھا۔ اور انٹرویو شائع نہیں ہوا۔ انہوں نے باقاعدہ معذرت کی کہ بورڈ کی رائے یہ ہے کہ انٹرویو شائع نہ کیا جائے۔ میرا خیال یہ ہے کہ یہ انٹرویو اس لئے شائع نہیں ہوا کہ وہ اپنے عوام کو یہ نہیں بتانا چاہتے تھے کہ کوئی مسلمان رنگوں کی عجیب وغریب کائناتی تھیوری جانتا ہے۔

میں نے دیکھا اور جانا ہے کہ مغربی دنیا کے عوام کو صحیح حقائق معلوم نہیں ہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ وہاں پالیسی کے تحت عوام سے حقائق کو چھپایا جاتا ہے اور عوام کو اسلام کی حقانیت سے بے بہرہ رکھا جاتا ہے۔ ان عوامل میں ہم مسلمانوں کا بھی قصور ہے۔ مسلمان اس معیار سے بہت زیادہ پست ہیں جس معیار پر زندگی گزارنے کی اسلام نے ہمیں تعلیم دی ہے۔ مغرب نے جان بوجھ کر اسلام کو **Mohammadanism** کا نام دیا ہے اور اس کی بے پناہ تشہیر کی گئی ہے تاکہ لوگ یہ سمجھیں کہ قرآن محمد ﷺ کا کلام ہے اور اسلام محمد ﷺ کا بنایا ہوا دین ہے۔ یہ ایک سازش ہے جو اسلام کے خلاف پوری شدومد کے ساتھ جاری ہے۔

مسلمان قوم کی زبوں حالی اور ابتری کا حال یہ ہے کہ اب ہم علم میں بھی یورپ اور مغربی دنیا کے محتاج بن گئے ہیں۔

قرآن کریم کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ بات پوری طرح واضح ہو

جاتی ہے کہ خواب اور بیداری زندگی کے دو نصف حصے ہیں مگر ہمارے دانائے فرنگ اور دانشوروں پر مغرب کی چھاپ اتنی گہری ہے کہ فرائڈ کو نفسیات اور خواب کا بابائے آدم تصور کیا جاتا ہے جب کہ وہ نفسیاتی اور جنسی مریض کے علاوہ کچھ نہیں۔

سائنس دانوں نے جب دیکھا کہ عیسائی علماء سائنسی ترقی میں حارج ہوتے ہیں تو انہوں نے مذہب کو سائنس سے الگ کردیا۔ سائنس اور مذہب کے تقابلی مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ بائبل کے مفسرین اور سائنس کے اسکالروں کے مابین شدید اختلاف ہے۔ اس کے برعکس قرآن ایک ایسی الہامی کتاب ہے جس میں زندگی کے تین رخ متعین کئے گئے ہیں۔

۱) اصول معاشیات۔ تمدن اور زندگی گزارنے کے طور طریقے۔

۲) تاریخ۔ جو ماضی میں بسنے والی قوموں کی عروج و زوال کے حقائق منکشف کرتی ہے۔

۳) معاد۔ یعنی اس دنیا کے پیچھے اور اس دنیا کے آگے ایک اور دنیا ہے۔ چھپی ہوئی دنیا ہی سے خیالات (**Information**) موصول ہو رہی ہیں۔ ان اطلاعات میں مستقبل کے راز بھی ہیں اور ہر قسم کی سائنسی ترقی کے فارمولے بھی ہیں۔ یہ فارمولے ہر آن ہر لحظہ نشر ہو رہے ہیں۔

''صلائے عام ہے یاران نکتہ داں کے لئے''

جو قوم اور قوم کا جو فرد ان نشر (**Inspire**) ہونے والے فارمولوں کو تلاش کر لیتا ہے تو نئی نئی سائنسی ایجادات عملاً سامنے آجاتی ہیں۔

نورانی پیکر

سمندر کی اونچی اونچی لہریں زور وشور سے جھاگ اڑاتی کنارے پر آئیں تو یوں لگا جیسے ریت کے ننھے ننھے ذرات میں تحلیل ہوگئیں اور ان چاندی ملے ذرات نے جب مدافعت کی تو وہ خود بھی لہروں کے ساتھ سمندر میں جا ملے۔ دم توڑتی لہریں واپس ہونے لگیں تو سمندر کی سطح پر حد نظر تک بل کھاتی ہوئی لکیریں بن گئیں۔ محسوس ہوا کہ سمندر کروٹ بدل رہا ہے جیسے جیسے سکون سمندر میں منتقل ہوتا رہا موجوں میں طغیانی آتی رہی اور سمندر طوفان بن کر ساحل کی طرف رواں دواں ہوتا رہا۔ یہ سلسلہ کب سے چل رہا

ہے اور کب تک چلتا رہے گا کسی کو معلوم نہیں!

نو منزلہ برطانوی جہاز کی آٹھویں منزل پر جب میں نے نظر دوڑائی تو جہاز کی تعمیر میں ہر جگہ لوہا نظر آیا۔ دیواریں لوہے کی' فرش لوہے کے' مستول لوہے کا' حفاظتی کشتیوں میں لوہا' دروازے لوہے کے' سیڑھیاں لوہے کی' لوہے سے بنی ہوئی اس عظیم الشان کاریگری کو دیکھ کر ورائے شعور میں خالق کائنات کی آواز نے مجھے اپنی طرف متوجہ کیا۔

'' اور ہم نے لوہا نازل کیا اور اس میں انسانوں کے لئے بے شمار فائدے ہیں۔''

یہ نو منزلہ لوہے کی عمارت سمندر میں تیر رہی تھی۔ پہلی دوسری اور تیسری منزل میں ٹرک اور کاریں تھیں۔ چوتھی پانچویں چھٹی منزلیں مسافروں کے لئے تھیں۔ ساتویں منزل پر ہوٹل' ڈیوٹی فری شاپ اور کیسینو وغیرہ تھے۔ دو اور چار مسافروں کے لئے دو ہزار کیبنیں تھیں۔ ہر کیبن ایک مکمل گھر تھا۔ کپڑے رکھنے کے لئے کافی بڑی الماری۔ سنگھار دان' کھانے کی میز' ٹھنڈے گرم پانی کا غسل خانہ' نہایت آرام دہ برتھ' برتھ کے سرہانے مطالعہ کے لئے روشنی کا انتظام' دھلے ہوئے تولئے' پانی پینے کے لئے گلاس غرض اس کمرے میں ہر وہ چیز موجود تھی جس کی سفر میں ضرورت ہوسکتی ہے۔ آٹھویں منزل پر آڈیٹوریم' نویں منزل پر کانفرنس روم اور دھوپ سینکنے کے لئے عرشہ پر بڑے بڑے صحن جس میں نہایت سلیقے سے جہاز کے رنگ سے مناسبت رکھتی ہوئی سفید کرسیاں بچھی ہوئی تھیں۔

الله کی آواز آئی۔

''اے میرے بندے دیکھ اس قوم نے ہماری آیت پر غور وفکر کیا۔''

''ہم نے تمہارے لئے سمندر کو مسخر کر دیا تا کہ تم اس میں کشتیاں چلاؤ۔''

اور ہم نے اس تفکر کو قبول کر کے ان کے اندر ایجادات کی صلاحیت کو بیدار کر دیا۔

میری آنکھوں سے نور کے موتی رخسار سے گزرتے ہوئے جب لوہے کے فرش سے ٹکرائے تو میں نے دیکھا کہ اس نو منزلہ فائیو اسٹار ہوٹل کے من میں آگ بھڑک اٹھی۔ جہاز نے ایک آہ بھری اور یہ آگ دھواں بن کر چمنی کے راستے آسمان کی طرف بلند ہوئی اور فضا میں پھیل گئی۔ فضا میں نورانی فرشتوں کی ٹولی کو یہ کہتے سنا۔

الله نے چودہ سو سال پہلے کہا تھا۔

''اور دھویں کو حکم دیا کہ داخل ہو جا مرضی سے یا مرضی کے بغیر دھوئیں (دخان) نے کہا میں تو آپ کا تابعدار ہوں۔''

دھواں دھواں دل بھیگی بھیگی پلکوں' عرشہ پر کھڑا میں یہ سب دیکھتا رہا۔ بھونچال میں جہاز ڈولنے لگا تو دماغ میں بھی بھونچال آ گیا۔ اندر کی آنکھ نے اندر ایک مورتی دیکھی۔ من میں میل نہ ہو تو دل آئینہ کی طرح ہو جاتا ہے۔ باہر اندر یہاں وہاں اوپر نیچے ہر سمت الله ہی تو ہے۔ دل نے اپنے اندر بہتر ہزار ٹائم اسپیس کی گہرائی کے وقفوں میں نورانی پیکر سے پوچھا۔

سمندر کی موجوں میں یہ بے قراری کیوں ہے؟

نورانی پیکر بولا.......

''سمندر کی موجیں اپنے مرکز سے جدا ہو گئی ہیں۔ یہ بے قراری اس لئے ہے کہ وہ دوبارہ اپنے مرکز سے گلے ملنا چاہتی ہیں۔ سمندر سے موجیں ساحل کی طرف بڑھتی ہیں۔ ساحل پر جبیں سائی کرتی ہیں تو مرکز سے دور ہو جاتی ہیں یوں سارا زور سارا طوفانی ولولہ اورانرجی ساحل پر منتشر ہو جاتی ہے۔موجیں دوبارہ سمندر کے مرکز میں بانہوں میں بانہیں ملانے کے لئے واپس ہوتی ہیں۔ روح کی بے قراری کے ساتھ موج کی روح مرکز میں جذب ہونا چاہتی ہے۔ یہی حال کائنات کی اصل روح کا بھی ہے۔''

ازل میں خالق سے جو دوری واقع ہوئی تھی روح اس دوری کو ختم کرنے' اپنے محبوب سے دوبارہ ہم آغوش ہونے کے لئے سمندر کی موجوں کی طرح بے قراری کے عالم میں صعود سے نزول کر کے جب زمین کی چھاتی سے ٹکراتی ہے تو بکھر کر' ٹوٹ کر نئے نئے قالب میں ڈھلتی چلی جاتی ہے۔ روح چاہتی ہے کہ جیسے بھی ہو نئی تصویروں میں جلوہ گر ہو کر دوبارہ خالق کائنات کی گود میں سمٹ جائے۔ اپنی اصل کی طرف لوٹ جائے وہ اصل جو ازل سے ابد تک ہے اور ہمیشہ رہے گی اور جس کو کبھی زوال نہیں۔ جس طرح زندگی بولتی ہے' سنتی ہے' محسوس کرتی ہے........

اس طرح روح بھی سنتی ہے' محسوس کرتی ہے اور بولتی ہے۔

انبیاء کی مائیں

خالقِ کائنات نے پہلے انسان کو آدم علیہ السلام کی شکل میں پیدا کیا اللہ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے آدم کی پسلیوں سے حضرت حوا کو تخلیق کیا اس سے ظاہر ہوا کہ اللہ نے آدم اور حوا کو الگ الگ تخلیق نہیں کیا یعنی یہ دونوں اللہ کی دو الگ الگ تخلیق نہیں ہیں بلکہ حوا آدم کا جزو ہیں۔ آدم کے بدن کا ٹکڑا ہیں۔ یہ دونوں ایک ہی تخلیق کے دو جزو ہیں اللہ نے پہلے مذکر تخلیق کیا اور اسی سے اسکی مونث کو پیدا کیا۔

"اے انسانو! تم سب کو اللہ نے ایک ہی مرد اور عورت سے پیدا کیا ہے اور تم کو قبیلوں اور خاندانوں میں اس لئے بنایا تاکہ ایک دوسرے کو پہچان سکو یقیناً اللہ کے نزدیک وہ شریف ہے جو پرہیزگار ہے۔" (سورۃ الحجرات)

صرف یہی نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں کا تذکرہ قرآنِ کریم میں متعدد مقامات پر کیا ہے چنانچہ سورۃ النساء، سورۃ انبیاء اور سورۃ آل عمران میں حضرت مریم کا ذکرِ خیر موجود ہے۔ سورۃ طٰہٰ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بہن کا ذکر ہے۔ اسی طرح سورۃ القصص اور سورۃ تحریم میں آسیہ کا ذکر اور سورۃ ہود میں حضرت سارہؓ اور سورۃ النساء میں حضور ﷺ کی ازواج مطہرات کو قرآن نے مخاطب کیا ہے۔

جنت سے نقل مکانی کی ذمہ دار تنہا حوا نہیں ہے بلکہ آدم اور حوا دونوں ہیں اس لئے موردِ الزام بھی دونوں ٹھہرے۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

"عورت شیطان کا آلہ کار نہیں۔ اسکے برعکس عورت شیطان کی یورش کے خلاف ایک مضبوط قلعہ ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے یہ فرما کر عورت کو انتہائی اعزاز کا مرتبہ عطا کیا ہے کہ:

"جنت ماں کے قدموں میں ہے۔"

رسول اللہ ﷺ نے بیوی سے محبت اور احترام کی بار بار تاکید فرمائی ہے آپ ﷺ نے فرمایا:

"تم میں سے سب سے بہتر وہ لوگ ہیں جو اپنی بیویوں سے بہتر سلوک کرتے ہیں۔"

نبی کریم ﷺ کا خواتین پر احسانِ عظیم ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے عورت کو اسفل سافلین سے نکال کر ایسا مقام عطا کر دیا جہاں تقویٰ میں وہ مردوں کے برابر آ گئی۔ اتنا سب کچھ ہونے کے باوجود عورت نے کبھی اپنی صلاحیتوں کے بارے میں غور نہیں کیا۔ عورت نے کبھی یہ نہیں چاہا کہ وہ اس بے جا غلبہ سے آزاد ہو کر اپنا روحانی تشخص تلاش کرے۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ روحانی طور پر عورت اور مرد دونوں ایک ہیں کیا کوئی یہ کہہ سکتا ہے کہ عورت اور مرد کی روح الگ الگ ہے۔ دونوں کی روح ایک ہے البتہ روح کا مظاہرہ یا روپ الگ الگ ہے۔ اور وہ مظاہرہ ایک تخلیقی ضرورت ہے۔ تخلیقی ضرورت کی طرف دیکھا جائے تو وہاں عجیب صورت نظر آتی ہے کہ عورت وہ کام کر رہی ہے جو بحیثیت خالق اللہ کر رہا ہے، جس طرح اللہ خالق ہے اسی طرح عورت بھی ذیلی خالق ہے اللہ بلامعاوضہ مخلوق کی خدمت کرتا ہے مفت وسائل فراہم کرتا ہے اسی طرح ماں اپنی استطاعت سے بڑھ کر اولاد کے لئے سب کچھ کرتی ہے۔ اور خدمت کا صلہ یا معاوضہ نہیں لیتی کہا جاتا ہے کہ عورت کمزور اور ناقص ہے لیکن ایسے بے شمار واقعات موجود ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ عورت میں بھی وہ تمام صلاحیتیں موجود ہیں اور اسی طرح کام کر رہی ہیں جس طرح مرد کرتے ہیں اگر عورت کمزور اور ناقص ہوتی تو مرد کی طرح عورت کے سامنے فرشتے کا

ظاہر ہونا' ملاقات کرنا' گفتگو کرنا' جنت سے اسکے لئے کھانے آنا' رابعہ بصری کے لئے خانہ کعبہ کا استقبال کرنا۔ جیسی باتیں منظر عام پر نہ آتیں۔ تاریخ شاہد ہے کہ جب وقت پڑا تو عورت نے ایک سپاہی اور بہادر جرنیل کا کام بھی کیا ہے بڑی بڑی مملکتیں اسکے زیرِ تصرف رہی ہیں اور ان مملکتوں نے ترقی بھی کی ہے۔

تعلیم کا میدان ہو' کھیل کود ہو' صنعت و حرفت ہو' سیاست ہو' معلمہ کے فرائض ہوں' ایجادات و ترقی کا شعبہ ہو یا لاسلکی نظام کی تحقیق ہو' عورت نے ہر جگہ بہترین قابلیت اور کارکردگی کا مظاہرہ کیا ہے۔

حضرت ابراہیمؑ اپنی والدہ کے فرزند ارجمند تھے خداداد صلاحیتوں کو استعمال کر کے کائناتی امور پر غور کیا تو سب سے پہلے اپنے سرپرست "آذر" کو سمجھایا۔ پھر جمہور کے سامنے حق کی روشنی کو پیش کیا اور آخر میں نمرود سے مظاہرہ کر کے اسکے سامنے حق کو بہتر سے بہتر طریقے سے پیش کیا۔ ہر لمحہ سب کو یہی تلقین کی کہ خدائے واحد کے علاوہ کسی کی پرستش جائز نہیں اور بت پرستی اور ستارہ پرستی کا نتیجہ نقصان اور ذلت کے سوائے کچھ نہیں۔ اس لئے شرک سے باز آنا چاہئے اور "ملتِ حنفیہ" ہی کو صراطِ مستقیم سمجھنا چاہئے جسکی اساس و بنیاد "توحیدِ الٰہی" پر قائم ہے۔

مگر بد بخت قوم نے کچھ نہ سنا اور کسی طرح رشد و ہدایت کو قبول نہ کیا اس وقت ایک عورت حضرت ابراہیمؑ کی بیوی حضرت سارہؓ اور ایک مرد حضرت ابراہیمؑ کے برادر زاد حضرت لوطؑ کے علاوہ کوئی ایمان نہیں لایا۔ پوری

قوم نے حضرت ابراہیمؑ کو جلا دینے کا فیصلہ کرلیا اور دہکتی آگ میں ڈال دیا۔ لیکن اللہ تعالیٰ نے دشمنوں کے ارادوں کو ذلیل و رسوا کر کے حضرت ابراہیمؑ کے حق میں آگ کو ''باغ'' بنا دیا۔ اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے ارادہ کیا کہ کسی دوسری جگہ جا کر پیغامِ الٰہی سنائیں اور دعوت حق پہنچائیں یہ سوچ کر مقام ''فدان آرام'' سے ہجرت کا ارادہ کرلیا۔ بہر حال حضرت ابراہیمؑ ملک و قوم سے جدا ہو کر فرات کے مغربی کنارے ایک بستی میں چلے گئے جو ''اورکلارفین'' کے نام سے مشہور ہے۔ اس سفر میں حضرت سارہؓ اور حضرت لوطؑ ہمسفر تھے۔ اور کچھ دنوں کے بعد یہاں سے ''حران'' یا ''حاران'' کی جانب روانہ ہو گئے اور وہاں ''دین حنیف'' کی تبلیغ شروع کر دی۔ حضرت ابراہیمؑ کا یہ سفر جاری رہا اس طرح تبلیغ کرتے کرتے فلسطین پہنچے کچھ عرصے کے لئے فلسطین کے مغربی اطراف میں سکونت اختیار کی۔ قریب ہی نابلس تھا کچھ عرصہ وہاں قیام کیا۔ یہاں بھی زیادہ عرصے قیام نہیں کیا۔ بلکہ مغرب کی طرف چلے گئے یہاں تک کہ مصر جا پہنچے۔

مصر پہنچنے پر ملک جیاد کا واقعہ پیش آیا۔ حضرت ابراہیمؑ نے مصر پہنچنے سے پہلے اپنی زوجہ مطہرہ حضرت سارہؓ سے فرمایا کہ یہاں کا بادشاہ جابر و ظالم ہے۔ اگر کسی حسین عورت کو دیکھتا ہے تو زبردستی چھین لیتا ہے اور اسکے ساتھی مرد کو اگر وہ شوہر ہے تو قتل کرا دیتا ہے اور اگر عورت کے ساتھ اسکا کوئی عزیز ہو تو اس سے تعرض نہیں کرتا۔ تم چونکہ میری دینی بہن ہو اور اس سرزمین میں میرے اور تمہارے علاوہ کوئی مسلمان نہیں ہے اس لئے تم اس سے کہہ دینا کہ

یہ میرا بھائی ہے۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ جب رات کے وقت بادشاہ نے تصرف کا ارادہ کیا تو اسکا ہاتھ شل ہو گیا اور وہ کسی طرح حضرت سارہؓ کو ہاتھ نہ لگا سکا۔ یہ دیکھ کر اس نے حضرت سارہؓ سے کہا اپنے اللہ سے دعا کر کہ میرا ہاتھ صحیح ہو جائے اور اگر ایسا ہوا تو میں تجھے رہا کر دوں گا۔ حضرت سارہؓ نے دعا کی اور اس کا ہاتھ ٹھیک ہو گیا۔ مگر وہ پھر شیطنت سے باز نہ آیا اور دوبارہ اس کا ہاتھ فالج زدہ ہو گیا۔ تیسری مرتبہ پھر یہی واقعہ پیش آیا تو اس نے یہ کہا کہ جن ہے انسان نہیں ہے۔ اس کو میرے پاس سے جلدی لے جاؤ اور ساتھ ہی حضرت ہاجرہؓ کو حوالہ کر کے کہا کہ اس کو بھی ساتھ لے جا میں نے اسے بھی تیرے حوالے کیا۔ حضرت سارہؓ حضرت ہاجرہؓ کو ساتھ لیکر حضرت ابراہیمؑ کے پاس پہنچیں تو آپؑ نے حال دریافت کیا۔ حضرت سارہؓ نے مبارکباد دی اور کہا اللہ کا شکر ہے اس نے ہماری حفاظت کی اور آپؑ کے لئے ایک خادمہ اور ساتھ کر دی۔

ہاجرہ اصل میں عبرانی لفظ ''ہاغار'' ہے جس کے معنی بیگانہ اور اجنبی کے ہیں۔ ان کا وطن چونکہ مصر تھا اس لئے نام پڑ گیا۔ لیکن اسی اصول کے پیش نظر زیادہ قرین قیاس یہ ہے کہ ''ہاغار'' کے معنی ''جدا ہونے والے'' کے ہیں اور عربی میں ہاجر کے معنی بھی یہی ہیں۔ یہ چونکہ اپنے وطن مصر سے جدا ہو کر یا ہجرت کر کے ابراہیمؑ کی شریک حیات اور حضرت سارہؓ کی خدمت گزار بنیں اسی لئے ہاجرہ کہلائیں۔

حضرت ابراہیمؑ ابھی تک اولاد سے محروم تھے ایک روز حضرت

ابراہیمؑ نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں فرزند کے لئے دعا کی اور اللہ تعالیٰ نے ان کی دعا کو قبولیت بخشی اور یہ دعا اس طرح پوری ہوئی کہ حضرت ابراہیمؑ کی چھوٹی بی بی حضرت ہاجرہؓ امید سے ہوگئیں۔ جب حضرت سارہؓ کو پتہ چلا تو انہیں بہ تقاضائے بشریت حضرت ہاجرہؓ سے حسد پیدا ہوگیا اور انہوں نے حضرت ہاجرہؓ کو تنگ کرنا شروع کر دیا۔ حضرت ہاجرہؓ مجبور ہو کر ان کے پاس سے چلی گئیں۔

حضرت ہاجرہؓ کے بطن سے حضرت اسمٰعیلؑ کا پیدا ہوجانا حضرت سارہؓ پر بے حد شاق گزرا حضرت ابراہیمؑ کی پہلی اور بڑی بیوی ایک عرصے سے گھر کی ملکہ۔ ہاجرہؓ چھوٹی بیوی اور انکی خدمت گزار' یہ سب باتیں تھیں جنہوں نے اسمٰعیلؑ کی ولادت کو حضرت سارہؓ کے لئے مسئلہ بنا دیا تھا۔ اس لئے حضرت سارہؓ نے حضرت ابراہیمؑ سے اصرار کیا کہ ہاجرہؓ اوراس کا بچہ اسمٰعیلؑ میری نگاہ کے سامنے نہ رہیں۔ انکو علیحدہ کسی جگہ لے جاؤ۔ حالانکہ اللہ تعالیٰ نے اسمٰعیلؑ کے بعد حضرت سارہؓ سے حضرت اسحٰقؑ کی پیدائش کی بشارت بھی دی تھی۔

حضرت ابراہیمؑ ہاجرہؓ اور اسکے شیر خوار بچہ اسمٰعیلؑ کو لے کر چلے اور جہاں کعبہ ہے اس جگہ ایک بڑے درخت کے نیچے زمزم کے موجودہ مقام سے بالائی حصہ پر ان کو چھوڑ کر چلے گئے وہ جگہ ویران اور غیر آباد تھی اور پانی کا کہیں نام ونشان نہ تھا اس لئے ابراہیمؑ نے ایک مشکیزہ پانی اور ایک تھیلی کھجور ان کے پاس چھوڑ دی اور پھر منہ پھیر کر روانہ ہو گئے۔ ہاجرہؓ ان کے پیچھے

پیچھے یہ کہتی ہوئی دوڑیں اے ابراہیمؑ تم ہم کو ایسی وادی میں کہاں چھوڑ کر چل دیئے جہاں آدم ہے نہ آدم زاد اور نہ کوئی مونس وغم خوار۔ ہاجرہؓ یہ کہتی جاتی تھیں مگر ابراہیمؑ خاموش چلے جا رہے تھے' آخر ہاجرہؓ نے دریافت کیا کہ تیرے خدا نے تجھے یہی حکم دیا ہے؟ تب حضرت ابراہیمؑ نے فرمایا ''ہاں'' یہ خدا کے حکم سے ہے۔ ہاجرہؓ نے جب یہ سنا تو کہنے لگیں اگر یہ خدا کا حکم ہے تو بلاشبہ وہ ہم کو ضائع اور برباد نہیں کرے گا اور پھر واپس لوٹ آئیں۔ ابراہیمؑ چلتے چلتے جب ایک ٹیلے پر ایسی جگہ پہنچے کہ انکے اہل وعیال نگاہ سے اوجھل ہو گئے۔ تو اس جانب جہاں کعبہ ہے رخ کیا اور ہاتھ اٹھا کر یہ دعا مانگی۔

ترجمہ: ''اے ہم سب کے پروردگار ایک ایسے میدان میں جہاں کھیتی کا نام و نشان نہیں میں نے اپنی اولاد تیرے محترم گھر کے پاس لا کر بسائی ہے کہ نماز قائم رکھیں پس تو ایسا کر کہ لوگوں کے دل انکی طرف مائل ہو جائیں اور انکے لئے زمین کی پیداوار سے سامان رزق مہیا کر دے۔ تا کہ تیرے شکر گزار ہوں۔'' (سورۃ ابراہیم)

ہاجرہؓ چند روز تک مشکیزہ سے پانی اور خورجی سے کھجوریں کھاتی اور اسمٰعیلؑ کو دودھ پلاتی رہیں۔ لیکن وہ وقت بھی آگیا کہ پانی رہا نہ کھجوریں۔ تب وہ سخت پریشان ہوئیں۔ چونکہ وہ بھی پیاسی تھیں اس لئے دودھ بھی نہ اترتا تھا اور بچہ بھی بھوکا پیاسا رہا۔ جب حالت دگرگوں ہونے لگی اور بچہ بیتاب ہونے لگا تو ہاجرہؓ اسمٰعیلؑ کو چھوڑ کر دور جا بیٹھیں تا کہ اس حالت زار میں اسکو اپنی آنکھوں سے نہ دیکھیں' کچھ سوچ کر قریب کی پہاڑی صفا پر جا

چڑھیں کہ شاید کوئی اللہ کا بندہ نظر آجائے یا پانی نظر آجائے مگر کچھ نظر نہ آیا۔ پھر بچہ کی محبت میں دوڑ کر وادی میں آ گئیں۔ اس کے بعد دوسری جانب پہاڑی مروہ پر چڑھ گئیں اور وہاں بھی جب کچھ نظر نہ آیا تو پھر تیزی سے لوٹ کر وادی میں بچہ کے پاس گئیں اور اس طرح سات مرتبہ کیا۔

نبی اکرم ﷺ نے اس مقام سے متعلق فرمایا کہ یہی وہ ''سعی بین الصفا و مروہ'' ہے۔ جو حج میں لوگ کرتے ہیں۔ آخر میں جب وہ مروہ پر تھیں تو کانوں میں ایک آواز آئی' چونکیں اور دل میں کہنے لگیں کہ کوئی پکارتا ہے۔ کان لگایا تو پھر آواز آئی' ہاجرہؓ کہنے لگیں۔ اگر تم مدد کر سکتے ہو تو سامنے آؤ تمہاری آواز سن لی گئی دیکھا تو خدا کا فرشتہ (جبرئیلؑ) ہے۔ فرشتے نے اپنا پیر یا ایڑی اس جگہ ماری جہاں زمزم ہے (یہ بھی روایت ہے کہ حضرت اسمٰعیلؑ نے جب زمین پر ایڑی ماری) اس جگہ سے پانی ابلنے لگا۔ ہاجرہؓ نے یہ دیکھا تو پانی کے چاروں طرف باڑ بنانے لگیں۔ پانی برابر ابلتا رہا۔ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا' اللہ تعالیٰ اُم اسمٰعیلؑ پر رحم کرے۔ اگر وہ زمزم کو اس طرح نہ روکتیں اور اس کے چار جانب باڑ نہ لگاتیں تو آج وہ زبردست چشمہ ہوتا۔ ہاجرہؓ نے پانی پیا اور پھر اسمٰعیلؑ کو دودھ پلایا۔ فرشتہ نے ہاجرہؓ سے کہا خوف و غم نہ کر اللہ تعالیٰ تجھ کو اور اس بچہ کو ضائع نہ کرے گا' یہ مقام ''بیت اللہ'' ہے جسکی تعمیر اس بچہ اور اسکے باپ ابراہیمؑ کی مقدر ہو چکی ہے۔ اس لئے اللہ تعالیٰ اس خاندان کو ہلاک نہیں کرے گا۔ بیت اللہ کی یہ جگہ قریب کی زمین سے نمایاں تھی۔ اسی دوران بنی جرہم کا ایک قبیلہ اس وادی کے قریب آ کر ٹھہرا' دیکھا

تھوڑے فاصلے پر پرندے اڑ رہے ہیں۔ جرہم نے کہا کہ یہ پانی کی علامت ہے۔ وہاں ضرور پانی موجود ہے۔ جرہم نے قیام کی اجازت مانگی۔ ہاجرہؓ نے فرمایا قیام کر سکتے ہو لیکن پانی کی ملکیت کے حصہ دار نہیں ہو سکتے۔ جرہم نے یہ بات بخوشی منظور کر لی اور وہیں مقیم ہو گئے۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ہاجرہؓ خود بھی باہمی انس رفاقت کے لئے یہ چاہتی تھیں کہ کوئی یہاں آ کر مقیم ہو۔ اس لئے انہوں نے مسرت کے ساتھ بنی جرہم کو قیام کی اجازت دے دی۔ جرہم نے آدمی بھیج کر اپنے باقی ماندہ اہل خاندان کو بھی بلا لیا اور وہ مکانات بنا کر رہنے لگے۔ انہی میں اسمٰعیلؑ بھی رہتے اور کھیلتے اور ان سے ان کی زبان سیکھتے' جب اسمٰعیلؑ بڑے ہو گئے۔ ان کا طرز انداز اور انکی خوبصورتی بنی جرہم کو بہت بھائی اور انہوں نے اپنے خاندان کی لڑکی سے انکی شادی کر دی اسکے کچھ عرصے بعد حضرت ہاجرہؓ کا انتقال ہو گیا۔

حضرت ابراہیمؑ کی عمر سو سال ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں بشارت دی کہ سارہؓ کے بطن سے بھی تیرے ایک بیٹا ہو گا اس کا نام اسحٰق رکھنا۔

قرآن پاک میں ہے:

ترجمہ: ''اور بلاشبہ ہمارے ایلچی (فرشتے) ابراہیم کے پاس بشارت لے کر آئے' انہوں نے ابراہیم کو سلام کیا۔ تھوڑی دیر کے بعد ابراہیم بچھڑے کا بھنا گوشت لایا اور جب اس نے دیکھا انکے ہاتھ اسکی طرف نہیں بڑھتے تو انکو اجنبی محسوس کیا اور ان سے خوف کھایا۔ وہ کہنے لگے خوف نہ کرو' ہم لوط کی قوم پر عذاب کے لئے بھیجے گئے ہیں اور ابراہیم کی بیوی کھڑی ہوئی ہنس رہی تھی'

پس ہم نے اس کو اسحٰق کی اور اس کے بعد یعقوب کی بشارت دی' سارہ کہنے لگی کیا میں بڑھیا بچہ جنوں گی اور جب کہ ابراہیم میرا شوہر بھی بوڑھا ہے' واقعی یہ تو عجیب بات ہے فرشتوں نے کہا کہ تو خدا کے حکم پر تعجب کرتی ہے۔ اے اہل بیت تم پر خدا کی رحمت و برکت ہو بلاشبہ اللہ تعالیٰ ہر طرح سے قابل حمد ہے اور بہت بزرگ ہے۔'' (سورۃ ہود)

'' پس محسوس کیا (ابراہیم نے) ان سے خوف وہ (فرشتے) کہنے لگے خوف نہ کر اور بشارت دی اسکو ایک سمجھدار لڑکے کی' پس آئی بی بی (سارہ) ابراہیم کی سخت بے چینی کا اظہار کرتی ہوئی پھر پیٹ لیا اس نے اپنا منہ اور کہنے لگی بانجھ بڑھیا اور بچہ فرشتوں نے کہا تیرے پروردگار نے یہی کہا ہے' ایسا ہی ہوگا۔ وہ دانا حکمت والا ہے۔'' (سورۃ الذریات)

'' ابراہیم نے کہا بیشک مجھ کو تم سے خوف معلوم ہوتا ہے۔ فرشتوں نے کہا ہم سے نہ ڈر بلاشبہ ہم تجھ کو ایک سمجھدار لڑکے کی بشارت دینے آئے ہیں' ابراہیم نے کہا کیا تم مجھ کو اس بڑھاپا آ جانے پر بھی بشارت دیتے ہو۔ یہ کیسی بشارت دے رہے ہو۔ فرشتوں نے کہا ہم تجھ کو حق بات کی بشارت دے رہے ہیں۔ پس تو ناامید ہونے والوں میں سے نہ ہو۔ ابراہیم نے کہا اور نہیں ناامید ہوتے اپنے پروردگار کی رحمت سے مگر گمراہ۔'' (الحجر)

حضرت ہاجرہؓ اور حضرت سارہؓ کے حالات میں بعض ایسے اہم نکات موجود ہیں جو اس بات کو ثابت کرتے ہیں کہ یہ دونوں خواتین انسانی تاریخ میں قابلِ فخر اور اہم خواتین ہیں۔ جس پر دنیا جتنا بھی فخر کرے کم ہے۔

درج ذیل میں اہم نکات بیان کئے جارہے ہیں۔

۱۔ حضرت ہاجرہؓ حاکم مصر کی بیٹی تھیں مگر انہیں حضرت سارہؓ اور حضرت ابراہیمؑ کی خدمت میں دے دیا گیا تھا اس واقعہ میں جہاں حضرت سارہؓ اور حضرت ابراہیمؑ کی اہمیت ظاہر ہوتی ہے وہاں حضرت ہاجرہؓ کی غیر معمولی شخصیت سامنے آتی ہے۔

۲۔ حضرت ہاجرہؓ حضرت ابراہیمؑ کی زوجہ تھیں۔ نبی کی زوجہ ہونا خود ایک امتیاز اور فخر کی بات ہے اور وہ بھی ایسے نبی کی جو خلیل اللہ ہے۔

۳۔ حضرت ہاجرہؓ حضرت اسمٰعیلؑ کی والدہ ہیں نبی کی والدہ ہونا بڑی عظمت کی بات ہے وہ بھی ایسے نبی کی والدہ' جن کے اوپر انبیاء کی طرزِ فکر کی تاریخ رقم ہوئی ہے۔ ایسے نبی جو اپنی قربانی کی وجہ سے تاریخ کا اہم باب بن گئے ہیں۔

۴۔ حضرت ابراہیمؑ نے جس جگہ حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسمٰعیلؑ کو چھوڑا تھا۔ اس سرزمین کے چپہ چپہ اور گوشے گوشے میں نمکین پانی کے سوائے شیریں پانی کا نام و نشان نہیں ہے۔ موجودہ دور میں جدید آلات کی مدد کے باوجود شیریں پانی تلاش نہیں کیا جا سکا۔ حضرت ہاجرہؓ کی وجہ سے دنیا کو زمزم نصیب ہوا۔ چشمہ زمزم کی موجودگی حضرت ہاجرہؓ کی مرہونِ منت ہے۔

۵۔ حضرت ہاجرہؓ کا دو پہاڑیوں صفا اور مروہ کے درمیان دوڑنا اللہ کو اتنا پسند آیا کہ رہتی دنیا تک اس کو یادگار بنا دیا۔

۶۔ زمزم کے ظاہر ہونے سے پہلے حضرت ہاجرہؓ اور فرشتے کے درمیان

گفتگو ہوئی فرشتے کا تسلی دینا کہ اللہ تم کو ضائع نہ کرے گا۔ یہ اس بات کا کھلا ثبوت ہے کہ حضرت ہاجرہؓ اللہ کی پسندیدہ خاتون ہیں اور ایک بڑی روحانی شخصیت ہیں۔

۷۔ اس ویران مقام پر حضرت ہاجرہؓ کے قیام کی وجہ سے مکہ شہر آباد ہوا اور مکہ شہر میں بیت اللہ شریف بنا۔

۸۔ خانہ کعبہ کو بھی حضرت ہاجرہؓ سے ایک خاص نسبت حاصل ہے کہ ان کے شوہر اور بیٹے نے مل کر اسے تعمیر کیا۔

۹۔ حضرت ابراہیمؑ جب حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسمٰعیلؑ کو ویرانہ میں چھوڑ کر جانے لگے تو حضرت ہاجرہؓ نے بار بار پوچھا کہ ہمیں کس کے سہارے چھوڑے جا رہے ہو۔ اس وقت حضرت ابراہیمؑ نے کوئی جواب نہیں دیا۔ مگر جب حضرت ہاجرہؓ نے کہا کہ کیا ہمیں اللہ کے حکم سے چھوڑ کر جا رہے ہو۔ تب حضرت ابراہیمؑ خلیل اللہ نے جواب دیا ''ہاں اللہ کے حکم سے ایسا کر رہا ہوں'' اس وقت جو اطمینان حضرت ہاجرہؓ کو حاصل ہوا وہ اللہ پر بھروسہ، کامل یقین اور اللہ کے ساتھ تعلق ظاہر کرتا ہے۔

۱۰۔ حضرت ہاجرہؓ، حضرت ابراہیمؑ کی زوجہ تھیں۔ رسول اللہ ﷺ کے محبوب نے اس بات پر فخر کیا کہ وہ حضرت ابراہیمؑ کی اولاد ہیں۔

۱۱۔ حضرت ابراہیمؑ سے حضرت سارہؓ نے حضرت ہاجرہؓ اور حضرت اسمٰعیلؑ کو دور چھوڑ کر آنے کو کہا۔ حضرت ابراہیمؑ نے ایسا کرنے میں پس و پیش سے کام لیا تو اللہ تعالیٰ نے حضرت سارہؓ کی حمایت کی اور حضرت سارہؓ کی

مرضی کے مطابق عمل کرنے کی ہدایت کی۔ اس امر سے حضرت سارہؓ سے اللہ تعالیٰ کو جو تعلق خاص تھا وہ ظاہر ہوا۔

۱۲۔ حضرت سارہؓ کے بیٹے حضرت اسحٰقؑ کی نسل میں ہزاروں انبیاء مبعوث ہوئے یہ امتیاز صرف حضرت سارہؓ ہی کو حاصل ہوا۔

۱۳۔ حضرت سارہؓ کا فرشتوں کو دیکھنا، ملنا، گفتگو کرنا انکی عظمت اور تقدس کی علامت ہے۔

۱۴۔ حضرت سارہؓ کے یہاں نوے (۹۰) سال کی عمر میں حضرت اسحٰقؑ کی ولادت کی بشارت یہ اللہ کے خصوصی کرم کا ایک کھلا ثبوت ہے۔

۱۵۔ حضرت سارہؓ کی طرف حاکم مصر کا بری نیت سے ہاتھ بڑھانا اور ہاتھ کا مفلوج ہو جانا اور ایسا بار بار ہونا یہ حضرت سارہؓ کی کرامت ہے۔

ان تمام وضاحتوں اور تفصیلات سے یہ ثابت ہو جاتا ہے کہ خواتین صلاحیتوں میں کسی طرح مردوں سے کم نہیں ہیں۔ انہیں چاہئے کہ اپنی خداداد صلاحیتوں کو اجاگر کریں۔ اپنے روحانی تشخص کو روشن کریں۔ یقین کیجئے کہ عورتوں کی تعلیم و تربیت اور ان کو حقوق سے آشنا کرنے میں کوتاہی، ہماری اپنی ہے۔ اللہ نے عورتوں کو بہت نوازا ہے۔ موجودعلم و آگہی کے زمانے میں خواتین کی یہ ذمہ داری ہے کہ اپنے حقوق کے لئے جدوجہد کریں۔ جب تک خواتین اللہ کے قانون کے تحت اپنی روحانی صلاحیتوں سے کام نہیں لیں گی معاشرہ نہیں سدھرے گا۔ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی روحانی صلاحیتوں سے محروم رہنا بلاشبہ ناشکری ہے۔

خواتین اپنی خداداد صلاحیتوں سے کام لیکر معاشرہ میں عورت کا مقام اونچا کر سکتی ہے۔ عورت اور مرد دونوں اللہ کی تخلیق ہیں۔ اللہ تعالیٰ سب کے ہیں۔ سب کے اندر ہیں۔

اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں:

''میں تمہارے اندر ہوں تم مجھے دیکھتے کیوں نہیں۔''

''میں مرد و عورت دونوں کی رگ و جان سے زیادہ قریب ہوں۔''

اچھا عمل مرد کا ہو یا عورت کا دونوں کو جزا ملے گی۔

برا عمل مرد کا ہو یا عورت کا دونوں کو سزا ملے گی۔ اللہ تعالیٰ معاف کرنے والا بخش دینے والا ہے۔

اللہ تعالیٰ بلا تخصیص مرد و عورت کے عیبوں کی پردہ پوشی کرتا ہے اور گناہوں کو معاف کرتا ہے۔